

علماء و اہل خیر حضرات

نکاح کے فوراً بعد ولیمہ کی شرعی حیثیت

وقف، معنی و مفہوم۔ ایک تجزیاتی مطالعہ (قسط ثانی)

کیا قدم سے قدم ملانا سنت نہیں ہے؟



رجب کا کوئڈا ایک فسانہ

رجب کا مہینہ چار حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت نبی ﷺ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ: مِنْهُنَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ، ثَلَاثَةٌ مَتَوَالِيَاتٍ: ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبٌ مُضَرٌّ... ”اس میں سے چار مہینے حرمت کے ہیں۔

تین تو پے در پے ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم (چوتھا) رجب مضر ہے“۔ [صحیح البخاری: ۳۱۹۷، صحیح مسلم: ۱۶۷۹]

ماہ رجب کی یہی ایک خصوصی فضیلت کتاب وسنت سے ثابت ہے، باقی اس کے سوا کچھ اور اس مہینے کی عمومی فضیلت کے حوالے سے ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ امام شوکانی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ: ”لم يرد في رجب على الخصوص سنة صحيحة ولا سنة ولا ضعيفة ضعفا خفيفا بل جميع ما روى فيه على الخصوص امام موضوع مكذوب أو ضعيف شديد الضعف“

”خاص طور پر ماہ رجب کے متعلق کوئی صحیح حسن یا کم درجے کی ضعیف سنت وارد نہیں بلکہ اس سلسلے میں وارد تمام روایات یا تو من گھڑت اور جھوٹی ہیں یا شدید ضعیف ہیں“ [السبل الجرار: ۱۴۳/۲]

جس طرح الگ الگ مہینوں کی مناسبت سے مسلمانوں کے یہاں بدعات و خرافات اور مختلف قسم کے رسوم و رواج انجام پاتے ہیں ویسے ہی رجب کے مہینے میں بھی رجب کی بدعات میں کوئڈے بھرنے کی رسم بھی پائی جاتی ہے۔ اس کے پس منظر میں مختلف واقعات بیان کیے جاتے ہیں جن میں سے ایک جعفر صادق اور لکڑہارن کا قصہ بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ: ”جعفر صادق نے لکڑہارن سے کہا کہ جو بھی آج (یعنی ۲۲ رجب کے روز) میرے نام کے کوئڈے بھر کر تقسیم کرے گا اس کی حاجت ضرور پوری ہوگی ورنہ روز قیامت میرا گر بیان پکڑ لینا، چنانچہ لکڑہارن نے کوئڈے بھرے تو اس کی حاجت پوری ہوگئی“۔ (داستان عجیب از مولانا محمود الحسن)

مذکورہ واقعہ کی حقیقت: ☆ اولاً تو یہ کہ یہ قصہ ہی من گھڑت ہے کیونکہ اس کا ذکر کسی بھی مستند ماخذ میں موجود نہیں۔

☆ ثانیاً یہ کہ رجب یا کسی بھی دن کی خاص فضیلت کا تعین رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا اور یہ واقعہ اگر بالفرض صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی یہ واقعہ صدیوں بعد کا ہے اور دین نبی ﷺ کے زمانہ میں مکمل ہو گیا ہے، بعد کا اضافہ دین شمار نہیں ہوگا بلکہ اسے دین میں بدعت اور گمراہی کہا گیا ہے، جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ”كُلُّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“، ”دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے“ [صحیح الجامع الصغیر للالبانی: ۱۳۵۳]

☆ ثالثاً یہ کہ یہ رسم شیعوں کی ایجاد معلوم ہوتی ہے کیونکہ جعفر صادق کا قصہ تو ثابت نہیں البتہ یہ ثابت ہے کہ ۲۲ رجب کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (بزرگ صحابی رسول، کاتبِ وحی اور خلیفۃ المسلمین) کی وفات ہوئی تھی اور شیعوں کو ان سے جو بغض و عناد ہے وہ سب پر واضح ہے اس لیے وہ ان کی وفات کے روز بطور جشن میٹھی اشیاء تقسیم کرتے ہیں لیکن جب انہوں نے محسوس کیا کہ یہ رسم سنیوں میں بھی عام ہونا چاہیے تو جعفر صادق کا من گھڑت قصہ چھپوا کر ان میں تقسیم کر دیا اور یوں یہ رسم عام سے عام ہوتی چلی گئی۔

خلاصہ یہ کہ ۲۲ رجب کے روز کوئڈے بھرنے والی رسم خود ساختہ اور جہلانہ ہے جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں اس لیے ہر مسلمان کو اس

سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

شفیق عدیل محمدی

Ahlus Sunnah Volume No.11, Issue No.133, February, 2023

جلد: ۱۱

فی شماره Rs. 40/-

شماره: ۱۳۳

سالانہ Rs. 400/-

فروری ۲۰۲۳ء

ماہنامہ



سرپرست: رضاء اللہ عبدالکریم مدنی نگران: عبدالشکور عبدالحق مدنی

نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمن سنابلی

رابطہ نمبر: 8291063765

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی

رابطہ نمبر: 8657458182

معاونین: ابوالبدیان رفعت سلفی ● حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمینگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی ● گراؤنگ ڈیزائنر: طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی، ای، او: زید خالد ٹیل

مجلس مشاورت

● شیخ محفوظ الرحمن فیضی ● دکتور عبید الرحمن مدنی ● شیخ نور الحسن مدنی ● شیخ محمد جعفر البندی

نوٹ: اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبر شپ کے لیے اوپر دیے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: ● Current Account : ICICI Bank ● Account Name : Ahl us Sunnah

A/c No: 102805001781 ● IFSC Code : ICIC0001028 ● Andheri Link Road Branch

Add: Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,

Opp. Noorjhan-I, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website : <http://ahlussunnah.net> | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal

Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,

Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181



05

شفیق احمد محمد عدیل محمدی

علماء و اہل خیر حضرات

08

محمد جعفر انوار الحق الہندی المدنی

نکاح کے فوراً بعد ولیمہ کی شرعی حیثیت

13

کفایت اللہ سنابلی

تین طلاق اور صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما (چودھویں قسط)

21

محمد مبارک مدنی

وقف، معنی و مفہوم۔ ایک تجزیاتی مطالعہ (قسط ثانی)

27

عبداللہ الباقی اسلم

مبادیٰ توحید ربوبیت (قسط: ۳)

34

کفایت اللہ سنابلی

جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی کیا اسے حضرت عمر۔۔۔

36

حسان بن عبدالغفار

کیا قدم سے قدم ملانا سنت نہیں ہے؟

43

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

اُن ثقہ رواۃ کا تذکرہ جن کی توثیق امام دارقطنی رحمہ اللہ نے (قسط ثانی)

علماء و اہل خیر حضرات

شفیق احمد محمد عدیل محمدی

دین کی دعوت امت تک پہنچانے میں معاشرے کے دواہم لوگوں کا بہت اہم کردار ہوتا ہے وہ دواہم لوگ ”علماء“ اور ”اہل خیر“ حضرات ہیں۔

دعوت دین کے حوالے سے علماء کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ کتاب و سنت اور سلف صالحین کی تعلیمات کی روشنی میں صحیح اور صاف ستھرا دین امت تک پہنچائیں، لوگوں کے ایمان و عقیدہ اور اعمال صالحہ کی اصلاح کے ساتھ انہیں منہیات و منکرات سے آگاہ کر کے ان سے بچنے کی تلقین کریں، علماء کو یہ کام کرنے لیے کسی اسلامی ادارہ، جامعات اور مساجد و مدارس سے جڑ کر کام کرنا ہوتا ہے اور ظاہری بات ہے کسی بھی ادارے سے جڑنے کے بعد دنیاوی ضروریات کے تحت علماء کے مشاہروں اور ان کی تنخواہوں کا مناسب بندوبست کرنے کے ساتھ ساتھ ادارے کے دیگر اخراجات کا بندوبست کرنا ایک اہم کام ہوتا ہے۔

عوام الناس کے درمیان دینی بیداری کے لیے موقع بہ موقع مختلف مقامات پر دینی و اصلاحی پروگرام، اجتماعات، کانفرنسیں اور درس وغیرہ کے اہتمام کی ذمہ داری بھی انہی علماء کے کندھوں پر ہی عائد ہوتی ہے، ان پروگراموں میں شرکت کے لیے علماء کو جہاں دور دراز کا سفر طے کر کے وقت پر پروگرام گاہ تک آنا ہوتا ہے وہیں پروگرام کے انعقاد کے لئے گراؤنڈ کی بکنگ سے لے کر اسٹیج سجانے، لائیو ٹیلی کاسٹ کرنے، ویڈیو ریکارڈنگ کرنے اور کھانے پینے کے بندوبست کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی چیزوں پر اچھا خاصا خرچ درکار ہوتا ہے جس کا بندوبست کرنا دوسرے کم نہیں ہوتا۔

دعوت دین اور فروغ اسلام کا ایک ذریعہ کتابت بھی ہے، وقت اور حالات کے حساب سے علماء پر اس ناحیہ سے بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ عوام کی دینی و اصلاحی ضرورت کے تحت کتابیں، مضامین، بک لیٹ اور پمفلٹس وغیرہ لکھتے رہیں تاکہ جہاں ان کے ذریعہ عام عوام کا دینی فائدہ ہو وہیں اس قدم سے علم کی حفاظت کا بھی مناسب بندوبست ہوتا ہے۔ اس کام کے لیے بھی کتاب لکھنے والے علماء کے اخراجات سے لے کر اس کتاب کو مختلف مراحل سے گزار کر فائل پر منگ تک پہنچانے کے لئے مختلف قسم کے اخراجات کا مسئلہ آتا ہے۔

اس کے علاوہ دین کی دعوت و تبلیغ کے اور بھی کئی طریقے اور راستے ہو سکتے ہیں جن کے ذریعہ علماء عام عوام میں دینی

بیداری کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں، لیکن دعوت و تبلیغ کے جو بھی طریقے اور راستے ہوں وہ سب کے سب اخراجات سے پاک نہیں ہو سکتے، کھلے لفظوں میں یہ کہہ لیں کہ دین کا کوئی بھی کام ہو بنا روپے پیسوں کے خرچ کے ممکن نظر نہیں آتا۔

علماء کی اپنی علمی ذمہ داریوں کے بعد معاشرے اور سماج کے اہل ثروت و اہل خیر حضرات کا تعاون بہت معنی رکھتا ہے، اگر یہ کہا جائے تو بجا نہ ہوگا کہ اہل ثروت و اہل خیر حضرات اگر اپنا ہاتھ دعوت و تبلیغ پر ہونے والے اخراجات سے کھینچ لیں تو اصلاح و تبلیغ کا یہ سلسلہ آہستہ آہستہ دم توڑ دے گا کیونکہ مساجد، مدارس اور جامعات و دینی مراکز سے جڑے علماء و عام اسٹاف کے اخراجات کی بات ہو یا اجلاس و کانفرنس کے ساتھ کتابوں کی اشاعت و ترویج کے اخراجات کا مسئلہ ہو کہیں نہ کہیں جا کر بات اہل خیر حضرات کے تعاون اور امداد پر ٹک جاتی ہے۔

اس لیے جہاں علماء اپنی علمی کاوش اور محنت کی وجہ سے اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں دعوت و تبلیغ کے کریڈٹ کا اول مستحق قرار دیا جائے تو وہیں معاشرے و سماج کے اہل خیر حضرات بھی اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں دعوت و تبلیغ پر ہونے والے اخراجات کے بوجھ کو اٹھانے کے حساب سے گاڑی کا دوسرا پہیہ تصور کیا جائے، اُن کی داد و تحسین کی جائے، ان کے کار خیر اور ایک ایک پیسے کے خرچ پر ان کی ہمت افزائی اور دل جوئی کی جائے کیونکہ مساجد، مدارس، جامعات اور دینی مراکز کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے ہر راستے میں ہونے والے خرچ پر اگر ایک سرسری نظر ڈالا جائے تو یہی اہل خیر حضرات ہی صف اول میں کھڑے نظر آتے ہیں کہ انہی کی دریا دلی اور بھرپور تعاون کی وجہ سے یہ کشتی آگے بڑھ رہی ہے۔

دینی خدمات اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے مالدار طبقے کا تعاون یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، حیات طیبہ پر اگر ایک سرسری نظر ڈالا جائے تو معلوم ہوگا کہ دور نبوی میں جب بھی دینی خدمات اور جنگی تیاری کے لیے مالی ضرورت درپیش ہوئی نبی کی ایک درخواست پر صحابہ نے اپنا قیمتی سرمایہ نبی ﷺ کے دامن میں لا کر انڈیل دیا، صحابہ کے مالی تعاون کو لے کر نبی ﷺ نے جہاں دینی اور جنگی ضروریات کو پورا کیا وہیں پر نبی ﷺ نے ان صحابہ کا صرف شکر یہ ہی ادا نہیں کیا بلکہ ان کی ہمت افزائی کی، ان کے مالوں میں خیر و برکت کی دعا کی، ان کے مالی امداد کو سراہا اور اتنا سراہا کہ ایک موقع پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار دینار کے تعاون کو دیکھ کر نبی نے یہاں تک کہہ دیا کہ ”مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ“ ”کہ آج کے بعد سے عثمان کو کوئی بھی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا، ایسا آپ

نے دوبار فرمایا، [سنن ترمذی: ح: ۳۷۰۱، حسن]

اپنے جائز مال کو اللہ کے راہ میں خرچ کرنے والوں کی قدر ہونا چاہیے، ان کی ہمت افزائی کے ساتھ ان کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے، کیونکہ مالدار تو دنیا میں بہت سے ہیں لیکن یہ چند لوگ جو اپنے مال کو دین کی راہ میں لگاتے ہیں یہ کوئی معمولی اقدام نہیں ہے بلکہ ان کا یہ عمل قابل رشک ہے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آتَاءَ اللَّيْلِ، وَآتَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا، فَهُوَ يُنْفِقُهُ آتَاءَ اللَّيْلِ، وَآتَاءَ النَّهَارِ»

سالم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”حسد (یعنی رشک) نہیں مگر فقط دو آدمیوں کے معاملے میں: پہلا وہ شخص جسے اللہ نے قرآن عطا فرمایا اور وہ دن رات اس کے ساتھ قائم رہے۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال عطا فرمایا اور وہ دن رات (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتا رہے۔“ [صحیح مسلم: ۸۱۵]

ہمارے وہ بھائی بہن جو اللہ کے راستے میں اپنے مالوں کو رب کی رضا و خوشنودی کی خاطر بے دریغ خرچ کرتے ہیں، لوگوں کی اصلاح اور خیر و بھلائی کے خاطر بنا احسان جتلائے اور بنا تکلیف دیئے بے دریغ اپنے مال کو اللہ کے راستے میں لگاتے ہیں وہ بہت ہی قابل مبارک باد اور خوش نصیب ہیں ان کا یہ عمل قابل ستائش ہے، ایسے اہل خیر حضرات اپنے اس عمل کی بنا پر اللہ کے یہاں بہترین اجر کے مستحق ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

”جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر اپنے خرچ کیے ہوئے کے پیچھے نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ اذیت دیتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے“ [البقرة: ۲۶۲]

خلاصہ یہ کہ علماء اپنی علمی صلاحیت کے بقدر معاشرے کے لوگوں کی اصلاح کریں اور اہل ثروت و اہل خیر حضرات دین کی خدمت کرنے والے لوگوں کے ساتھ دینی مراکز کا مالی طور سے خیال رکھیں اور ہم سب مل کر علماء کی خدمات کے ساتھ اہل خیر حضرات کا شکر یہ ادا کریں۔



نکاح کے فوراً بعد ولیمہ کی شرعی حیثیت

فضیلۃ الشیخ محمد جعفر انوار الحق الہندی المدنی (مدیر: مجلہ استدراک)

شادی اور نکاح میں ولیمہ کرنا با اتفاق امت مشروع ہے کیوں کہ ولیمہ کرنا نبی ﷺ کے قول اور فعل دونوں سے ثابت ہے، لیکن اہل علم کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ ولیمہ فرض ہے یا سنت؟ بہت سے اہل علم کا مذہب ہے کہ ولیمہ سنت ہے اور اس بارے میں جو حدیثیں وارد ہیں وہ استحباب کے لیے ہیں کیوں کہ یہ دعوت خوشی اور مسرت کی وجہ سے مشروع ہے تو جس طرح دیگر خوشی کی دعوتیں واجب نہیں ہیں اسی طرح ولیمہ بھی واجب نہیں ہے۔ ابن قدامہ نے کہا:

”ولیسست واجبة فی قول اکثر أهل العلم. وقال بعض أصحاب الشافعی: هی واجبة، لأن النبی ﷺ. أمر بها عبد الرحمن بن عوف، ولأن الإجابة إليها واجبة؛ فكانت واجبة. ولنا، أنها طعام لسرور حادث، فأشبهه سائر الأئمة، والخبر محمول علی الاستحباب“ ”اکثر اہل علم کے قول کے مطابق ولیمہ واجب نہیں ہے اور بعض اصحاب شافعی کا مذہب ہے کہ ولیمہ واجب ہے کیوں کہ نبی ﷺ نے عبد الرحمن بن عوف کو ولیمہ کرنے کا حکم دیا تھا اور اس لیے بھی کہ ولیمہ کی دعوت قبول کرنا واجب ہے لہذا ولیمہ بھی واجب ہوگا، ہماری دلیل یہ ہے کہ ولیمہ ایک ایسی دعوت ہے جو حصول مسرت کی وجہ سے کی جاتی ہے، لہذا وہ دوسری دعوتوں کے مثل ہے اور حدیث میں وارد امر استحباب پر محمول ہے.....“ [المغنی: ۱۰، ۱۹۳، ط: دار عالم الکتب]

ولیمہ کی فرضیت کا قول صرف بعض اصحاب شافعی کا نہیں بلکہ بہت سے اہل علم کا مذہب ہے، ابن حزم نے کہا: ”و فرض علی کل من تزوج ان یولم بما قل او کثر“ ”جو شادی کرے اس پر فرض ہے کہ ولیمہ کرے خواہ کم ہو یا زیادہ“ [المحلی: ۱۹/۴۵۰، (۱۸۱۹)]

دلائل کی روشنی میں یہی بات راجح ہے کہ بقدر استطاعت ولیمہ فرض ہے، ایک دلیل تو یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عبد الرحمن بن عوف کو اس کا حکم دیا تھا: ”اولم ولو بشاة“ ”ولیمہ کرو اگرچہ ایک ہی بکری کیوں نہ ہو“ [بخاری: ۲۰۴۸، مسلم: ۱۴۲۷]

دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

”یا علی! انه لا بد للعرس من ولیمة“، ”اے علی! شادی کے لیے ولیمہ ضروری ہے“ [مسند احمد: ۱۴۲/۳۸، ۲۳۰۳۵] اور تیسری بات یہ ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام سے ولیمہ کا ترک کبھی بھی ثابت نہیں ہے، یہ مواظبت اور پابندی مذکورہ امر کے ساتھ وجوب کی دلیل ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: ”ولا بد له من ولیمة بعد الدخول“ ”شادی میں زوجین کی ملاقات کے بعد ولیمہ ضروری ہے“ [آداب الزفاف: ۱۴۴]

علامہ حسین عوایشہ نے بھی الموسوعة الفقهية المیسرة: ۲۰۳/۵ میں کہا ہے ”وجوب الولیمة“ ”ولیمہ کا شرعی حکم یہ ہے کہ استطاعت کے بقدر فرض ہے۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ کب کیا جائے؟ کیا عقد کے بعد اور زوجین کی ملاقات سے قبل ولیمہ درست ہے؟ اس سلسلے میں جو نصوص ہمارے سامنے ہیں ان کا تقاضا یہی ہے کہ ولیمہ زوجین کی ملاقات کے بعد مشروع ہے، صرف عقد کے بعد ولیمہ کرنا کسی بھی نص میں اور کسی بھی واقعہ میں ثابت نہیں ہے، اتباع سنت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے اسی وقت انجام دیا جائے جب ثابت ہے، اور جس وقت ثابت نہیں ہے اس وقت اسے انجام دینے سے احتراز برتا جائے۔ نبی ﷺ سے ولیمہ کے متعلق جو عمل ثابت ہے وہ یہی ہے کہ آپ نے ملاقات کے بعد ہی ولیمہ کیا ہے، صرف عقد کے بعد ملاقات سے قبل کبھی نہیں کیا ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام کے جو واقعات ہیں وہ بھی اسی طرح ہیں، ان سے بھی زوجین کی ملاقات سے قبل ولیمہ کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، ولیمہ کرنا ایک شرعی حکم ہے اور اسے بطور عبادت انجام دیا جاتا ہے، اس لیے اسے انجام دینے کا جو طریقہ مروی ہے اسی پر اکتفا کر لینا ضروری ہے کیونکہ تعبد کا یہی تقاضا ہے اور اتباع بھی یہی ہے، اور ایسی صورت میں یقین ہے کہ حکم پورا ہو گیا اور اس سے مختلف صورت میں اگر ادا کیا جائے تو کم از کم یہ تو ہے کہ معلوم نہیں کہ حکم پورا ہوا یا نہیں!

کتب فقہ کی جستجو کے بعد یہ مسئلہ فقہاء کے یہاں نفیاً یا اثباتاً نظر نہیں آتا، ان سے یہ صراحت نہیں ملتی کہ عقد کے بعد ولیمہ کرنا مشروع ہے یا ممنوع؟ ولیمہ کی مشروعیت کے لیے زوجین کی ملاقات ضروری ہے یا نہیں؟ اس کی کوئی وضاحت نہیں ملتی، مگر احادیث میں ولیمہ کرنے کی جو صورت زمانہ رسالت میں ثابت ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ زوجین کی ملاقات کے بعد ہی ولیمہ کی مشروعیت ہوتی ہے اس سے قبل نہیں۔

پھر میں نے دیکھا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سلف کا اختلاف نقل کیا ہے۔ فرمایا:

”وقد اختلف السلف فی وقتها هل هو عند العقد او عقبه او عند الدخول او عقبه ، او موسع من

ابتداءً العقد الى انتهاء الدخول على اقوال“ ” اور ولیمہ کے وقت کے سلسلے میں سلف کے مابین اختلاف کی بنا پر کئی اقوال ہیں: نکاح کے وقت یا نکاح کے بعد ولیمہ، دخول کے وقت یا دخول کے بعد یا پھر عقد کے بعد سے لے کر دخول کے بعد اس کے وقت میں وسعت ہے“ [الفتح: ۲۳۰/۹]

سلف کے یہ پانچ اقوال ہیں ولیمہ کے وقت کے بارے میں۔

البتہ فقیہ سنت مجدد زمانہ امام البانی رحمہ اللہ کے کلام میں اس کی طرف رہنمائی موجود ہے، انہوں نے آداب الزفاف: ۱۲۳، میں ولیمہ کے لیے زوجین کی ملاقات کا تذکرہ کیا ہے اور کہا: ”ولا بد له من عمل وليمة بعد الدخول“ اس کا مطلب یہی ہے کہ شوہر بیوی سے ملاقات کر لے اور دونوں کو خلوت صحیحہ حاصل ہو اس کے بعد ولیمہ واجب ہوگا۔ دوسری جگہ کہا: ”ان تكون ثلاثة ايام عقب الدخول لانه هو المنقول عن النبي ﷺ“ ”کہ ولیمہ کا وقت دخول کے بعد تین دنوں تک ہے کیونکہ یہی نبی ﷺ سے منقول ہے“ [آداب الزفاف: ۱۴۵، الموسوعة: ۲۰۳/۵]

یہی بات ان کے شاگرد حسین عوايشہ نے بھی نقل کر کے تائید کی ہے۔ [الموسوعة الفقهية الميسرة: ۲۰۳/۵]

ان سے قبل شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ: ”وقت الوليمة في حديث زينب وصفته يدل على انه عقب الدخول“ ”زینب کی حدیث میں ولیمہ کا وقت اور اس کی صفت موجود ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد ہے“ [الاختيارات العلمية: ۳۴۶] یعنی زوجین کی ملاقات کے بعد۔ حافظ نے کہا: ”وحدیث انس صریح فی انها بعد الدخول لقوله فيه: ”اصبح عروسا بزینب فدعا القوم“ ”حدیث انس اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ ولیمہ دخول ملاقات کے بعد ہے کیونکہ انہوں نے اس سلسلہ میں کہا ہے کہ: آپ ﷺ نے زینب سے زفاف منا کر صبح کیا، پھر لوگوں کو مدعو کیا“ [الفتح: ۲۳۱/۹]

دکتور علاء شعبان زعفرانی نے کہا: ”والا فضل فعل وليمة النكاح بعد الدخول اقتداء بفعل النبي ﷺ فان لم يتيسر ذلك فلا حرج من فعلها قبل الدخول ان عند العقد او بعده“ ”اور نبی ﷺ کے عمل کی اقتداء میں افضل تو یہی ہے کہ دخول کے بعد ولیمہ کیا جائے لیکن اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو نکاح کے وقت یا اس کے بعد دخول سے پہلے بھی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے“ [شبكة الألوكة، اثر نیٹ]

صنعانی نے کہا: قال السبكي: ”والمنقول من فعل النبي ﷺ انها بعد الدخول وكأنه يشير الى قصه زواج زينب بنت جحش لقول انس: اصبح النبي ﷺ عروسا بزینب فدعا القوم وقد ترجم عليه البيهقي ”باب وقت الوليمة“ کہ امام سبکی نے فرمایا: ”اور نبی ﷺ کے فعل سے یہی منقول ہے کہ

ولیمہ دخول کے بعد ہے اور گویا کہ وہ زینب بنت جحش کے نکاح کے قصے کی طرف اشارہ کر رہے تھے کیونکہ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے زینب سے زفاف منا کر صبح کیا پھر لوگوں کو مدعو کیا اور امام بیہقی نے اس پر باب باندھا: ”ولیمہ کے وقت کا باب“ [سبل السلام: 2/227]

قال الدمیری: ”لم يتعرض الفقهاء لوقت وليمة العرس. والصواب انها بعد الدخول“ ”دمیری کہتے ہیں کہ: ”فقہاء کرام نے نکاح کے ولیمہ کے وقت کے سلسلے میں کوئی کلام نہیں کیا البتہ درست یہی ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد ہے“ [النجم الوهاج: 393/7]

محمد علی فرکوس نے کہا: ”ومن التزامات الزوج ايضا الوليمة التي تجب في حقه عقب الدخول بزوجه ان قدر على ذلك لان النبي ﷺ دعا القوم بعد الدخول بزینب رضی اللہ عنہا...“ ”اور شوہر پر ولیمہ کرنا بھی واجب ہے جو کہ دخول کے بعد ہوگا اگر اس کے لیے ایسا کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا سے دخول کے بعد ہی لوگوں کو دعوت دی تھی“ [انٹرنیٹ منتديات الامام الأجرى]

”الافضل فعلها بعد الدخول لان النبي ﷺ لم يولم على نسائه الا بعد الدخول“ ”دخول کے بعد ولیمہ کرنا افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اپنی تمام بیویوں سے دخول کے بعد ہی ولیمہ کیا ہے“ [مغنی المحتاج: 4/404]

ولیمہ کے بارے میں وارد احادیث کا یہی تقاضا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اصبح رسول اللہ ﷺ عروسا بزینب بنت جحش و كان تزوجها بالمدينة فدعا الناس للطعام بعد ارتفاع النهار“ ”نبی ﷺ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے دولہا کی حیثیت سے صبح کیا، آپ نے ان سے مدینہ میں شادی کی تھی، دن چڑھنے کے بعد آپ نے لوگوں کو کھانے کے لیے بلایا“ [بخاری: 4793، مسلم: 1428]

دوسرا لفظ اس طرح ہے: ”اصبح النبي ﷺ بها عروسا فدعا القوم فأصابوا من الطعام“ ”کہ نبی ﷺ نے زفاف منا کر صبح کی اور لوگوں کو دعوت دی تو لوگوں نے کھانا کھایا“ [بخاری: 5166]

ایک حدیث میں ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: ”بنی النبي ﷺ بامرأة فأرسلني فدعوت رجلاً على الطعام“ ”نبی ﷺ نے ایک عورت کے ساتھ زفاف منایا پھر آپ نے مجھے بھیجا تو میں نے لوگوں کو کھانے پر مدعو کیا“ [بخاری: 5170]

انہی کی ایک حدیث میں ہے: ”مارأيت رسول الله ﷺ اولم على امرأة من نسائه ما اولم على زينب“ ”میں نے نہیں دیکھا کہ نبی ﷺ نے کسی بیوی کا ولیمہ کیا ہو جیسا آپ نے زینب کا ولیمہ کیا“ [بخاری: 5168،

ہمارے زمانہ کے بعض علماء کا کہنا ہے کہ عقد کے بعد ملاقات سے پہلے ولیمہ کیوں غلط ہے؟ شریعت نے کہاں منع کیا ہے کہ ملاقات سے قبل ولیمہ نہ کرو؟

یہ حیرت ناک استدلال ہے کیونکہ ولیمہ ایک عبادت اور ایک شرعی حکم ہے اس کی ادائیگی شریعت کے مطابق ہی ہونا چاہیے، چونکہ ولیمہ زوجین کی ملاقات کے بعد ہی ثابت ہے لہذا ہمیں بھی اس کے بعد ہی کرنا چاہیے اور اگر عقد کے معاً بعد ولیمہ کرنے کی کوئی دلیل مل جائے تب تو ٹھیک ہے ورنہ یہ کہنا بہت غلط ہے کہ منع کی دلیل لاؤ!!!

اس کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ ممانعت کی دلیل تو نہیں ہے آپ جواز کی دلیل کی پیش کریں!! کیونکہ عبادت کے ثبوت کے لیے دلیل چاہیے نفی کے لیے نہیں۔

بعض لوگوں کا اس استدلال پر یہ اعتراض بڑا وزن رکھتا ہے کہ عقد سے قبل ولیمہ کرنا کیوں ممنوع ہے؟ عقد سے پہلے ولیمہ غلط ہے اس کی کیا دلیل ہے؟ نبی ﷺ نے کہاں فرمایا ہے کہ عقد سے قبل ولیمہ مت کرو!! اگر حدیث میں یہ ممانعت وارد نہیں ہے کہ عقد سے پہلے ولیمہ نہ کرو تو کیا یہ جائز ہوگا؟

ہرگز نہیں۔ بلکہ ممانعت کی دلیل یہ ہوگی کہ ایسا کرنا نبی ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے، اسی طرح ملاقات سے قبل ولیمہ کے ممنوع ہونے کی دلیل یہ ہوگی کہ یہ ثابت نہیں ہے۔

منبر پر خطبہ دینا نبی ﷺ کا طریقہ رہا ہے اور منبر بن جانے کے بعد آپ اسی پر خطبہ دیتے تھے، لہذا بلا عذر بغیر منبر خطبہ دینا غلط ہوگا۔

اب اگر کوئی بلا منبر خطبہ دے اور کہے کہ یہ تو ممنوع نہیں ہے، ممانعت کی دلیل لاؤ اور ایسی کوئی حدیث پیش کرو کہ نبی ﷺ نے بلا منبر خطبہ جمعہ دینے سے منع کیا ہو؟ پھر ہم کیا کریں گے اس دلیل کو تسلیم کر لیں گے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ کہیں گے کہ خطبہ جمعہ منبر سے ثابت ہے لہذا منبر سے ہی مسنون ہے اور چونکہ منبر کی موجودگی میں بلا منبر خطبہ جمعہ ثابت نہیں ہے اس لیے وہ غلط ہے۔

یہی معاملہ یہاں بھی ہے کہ ولیمہ زوجین کی ملاقات کے بعد ثابت ہے لہذا اسی وقت مسنون ہے اور ملاقات سے قبل ثابت نہیں ہے اس لیے مسنون نہیں ہے، اس کے ممنوع ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ثابت نہیں ہے۔

اس پوری گفتگو سے بات واضح ہوتی ہے کہ ولیمہ چونکہ ایک عبادت ہے اس لیے جس طرح ثابت ہے اسی پر اکتفا کیا جائے اور غیر ثابت طریقے پر انجام دینے سے بچا جائے۔

(چودھویں قسط)

تین طلاق اور صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ

کفایت اللہ سنابلی

(ب) ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے معارضہ

بعض لوگوں نے صحیح مسلم والی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ بہانا بنا کر رد کرنے کی کوشش کی ہے کہ خود اس کے راوی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔

عرض ہے کہ:

امام بیہقی رحمہ اللہ ہی نے قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ایک حدیث پر یہ اعتراض کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے موقوفاً مروی حدیث اس کے خلاف ہے تو یہ اعتراض نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا سرفراز صفدر دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

اعتراض: بیہقی رحمہ اللہ اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اصل روایت میں ”لا صلاة خلف الامام“ کا جملہ نہیں ہے جیسا کہ علاء بن عبدالرحمن رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا موقوف اثر نقل کیا ہے اور اس میں یہ جملہ مذکور نہیں ہے..... الخ

جواب: یہ اعتراض چنداں وقعت نہیں رکھتا۔

اولاً اس لئے کہ مرفوع حدیث کو موقوف اثر کے تابع بنا کر مطلب لینا خلاف اصول ہے۔ وثانیاً اس کی بحث اپنے مقام پر آئے گی کہ اعتبار راوی کی مرفوع حدیث کا ہوتا ہے اس کی اپنی ذاتی رائے کا اعتبار نہیں ہوتا۔ [احسن الکلام:

[۲۹۸/۱]

مولانا سرفراز صفدر نے ایک دوسرے مقام پر لکھا:

روایت کے مقابلے میں راوی کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ [احسن الکلام: ۱۱۸/۲]

ایک بریلوی عالم کا بھی ایسا قول آگے آ رہا ہے۔

اب اس اعتراض کے مزید جوابات ملاحظہ ہوں:

❁ اولاً:

محدثین کے یہاں یہ مسلم ہے کہ کوئی بھی راوی اگر اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل کر لے یا فتویٰ دے دے

تو اس سے اس کی روایت کردہ حدیث پر کوئی جرح واقع نہیں ہوگی۔ چنانچہ:
امام ابن الصلاح رحمہ اللہ (المتوفی ۶۴۳) نے کہا:

”إن عمل العالم أو فتياه على وفق حديث ليس حكماً منه بصحة ذلك الحديث، وكذلك مخالفته للحديث ليست قدحاً منه في صحته ولا في راويه“

”عالم کا عمل یا فتویٰ کسی حدیث کے موافق ہو جائے تو یہ اس کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح نہیں ہے، اسی طرح عالم کا عمل یا فتویٰ کسی حدیث کے خلاف ہو جائے تو یہ اس کی طرف سے نہ تو اس حدیث پر کوئی جرح ہے اور نہ ہی اس کے راویوں پر کوئی جرح ہے“ [مقدمة ابن الصلاح، ت عتر: ص: ۱۱۱]

امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۶) نے کہا:

”وعمل العالم وفتياه على وفق حديث رواه ليس حكماً بصحته ولا مخالفته قدح في صحته ولا في راويه“

”عالم کا کسی حدیث کے موافق عمل کرنا یا فتویٰ دینا یہ اس کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح نہیں ہے، اسی طرح عالم کا کسی حدیث کی مخالفت کرنا اس کی طرف سے اس حدیث یا اس کے راویوں پر کوئی جرح نہیں ہے“ [التقريب والتيسير للنووي: ص: ۴۹]

ابن الترمذی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۰) نے کہا:

”مذهب الشافعي والمحدثين ان الراوي إذا روى حديثاً ثم خالف كان العبرة لما روى لا لما رأى ولا يكون رأيه جرحاً في الحديث“

”امام شافعی اور محدثین کا کہنا یہ ہے کہ راوی جب ایک حدیث بیان کرے اور اس کی مخالفت کر دے تو اعتبار اس کی حدیث کا ہوگا نہ کہ اس کی مخالفت کا، اور اس کی مخالفت اس کی روایت کردہ حدیث پر جرح شمار نہیں ہوگی“ [الجواهر النقي: ۱۵۹/۲]

❁ ثانياً:

جب قرآن اور صحیح حدیث سے ایک مسئلہ ثابت ہو جائے تو اسی کو لیا جائے گا اس کے خلاف کسی بھی امتی کا قول نہیں لیا جاسکتا کیونکہ قرآن و حدیث وحی ہے جس میں غلطی کا امکان نہیں ہے جبکہ امتی کے قول میں غلطی کا امکان ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ امتی نے حالات یا کسی مصلحت کے سبب نص کے خلاف فتویٰ دیا ہو جس میں وہ معذور

ہوں۔

حتیٰ کہ کوئی صحابی ایک حدیث روایت کریں اور خود اس کے خلاف فتویٰ دیں تو بھی ان کی روایت کردہ حدیث ہی کو لیا جائے گا نہ کہ اس کے خلاف ان کے فتویٰ کو، کیونکہ ان کے اس طرح کے فتویٰ میں بھی مذکورہ احتمالات ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت کردہ بعض مرفوع احادیث اور ان کے خلاف ان کے فتویٰ کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

🌸 پٹی مثال:

بریرہ رضی اللہ عنہا جب لونڈی تھیں تبھی ان کی شادی ہو گئی تھی بعد میں ان کے مالک نے انہیں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیچ دیا اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خریدنے کے بعد آزاد کر دیا، لیکن اللہ کے نبی ﷺ نے اس خرید و فروخت کو طلاق قرار نہیں دیا بلکہ انہیں اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو بدستور اپنے شوہر کی بیوی بنی رہیں اور چاہیں تو الگ ہو جائیں۔ اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ شادی شدہ لونڈی کو بیچ دینے یا اسے آزاد کر دینے سے اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ لیکن دوسری طرف ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح یہ فتویٰ بھی ثابت ہے کہ لونڈی کو بیچنا ہی اس کی طلاق ہے، یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی ہی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ لیکن اہل علم نے یہاں ان کے فتویٰ کو نہیں لیا بلکہ ان کی حدیث کو لیا ہے۔ لونڈی سے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اور اس کے خلاف ان کا فتویٰ ہم گزشتہ قسطوں میں تفصیل سے پیش کر چکے ہیں۔

🌸 دوسری مثال:

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ صلاة وسطیٰ سے مراد صلاة عصر ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱) نے کہا:

حدثنا عبد الصمد ، حدثنا ثابت ، حدثنا هلال ، عن عكرمة ، عن ابن عباس ، قال : قاتل النبي صلى الله عليه وسلم عدوا ، فلم يفرغ منهم حتى أخرج العصر عن وقتها ، فلما رأى ذلك قال : ”اللهم من حبسنا عن الصلاة الوسطى ، فاملاً بيوتهم نارا ، واملأ قبورهم نارا“ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قتال کیا اور دشمنوں سے عصر کے آخری وقت ہی فارغ ہوئے، جب آپ نے یہ دیکھا تو فرمایا: ”اے اللہ! جن لوگوں نے ہمیں صلاة وسطیٰ سے روک دیا ہے ان کے گھروں

اور قبروں کو آگ سے بھردے“ [مسند أحمد ط الميمنية: ۳۰۱/۱، وإسناده صحيح وأخرجه عبد بن حميد في المنتخب طريق محمد بن الفضل عن ثابت به، وأخرجه أيضا البزار كما في كشف الأستار: ۱۹۷/۱، من طريق عباد بن العوام، و الطبرانی في الكبير: ۳۲۹/۱، والأوسط: ۲۸۴/۲ من طريق أبي عوانه، كلاهما عن هلال به]

لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت کردہ اس حدیث کے خلاف یہ فتویٰ دیا ہے کہ صلاۃ وسطیٰ سے مراد صلاۃ فجر ہے۔ امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۵) نے کہا:

حدثنا وكيع، عن قرّة، قال: حدثنا أبو رجاء، قال: ”صليت مع ابن عباس الصبح في مسجد البصرة، فقال: هذه الصلاة الوسطى“

ابورجاء کہتے ہیں: ”کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے کہا: یہی صلاۃ وسطیٰ ہے“ [مصنف ابن ابی شیبہ، ط الفاروق: ۵۱۶/۳، وإسناده صحيح وأخرجه الطحاوی في شرح معانی الآثار، ت النجار: ۱۷۰/۱، من طريق أبي داؤد عن قرّة به، وأخرجه أيضا عبد الرزاق في مصنفه: رقم: ۲۲۰۷، والطحاوی في شرح معانی الآثار، ت النجار: ۱۷۰/۱، من طريق عوف عن أبي رجاء به، وأخرجه أيضا اسماعيل القاضي من طريق آخر و صححه كما في التمهيد لابن عبد البر: ۲۸۵/۴، وله طرق كثيرة عن ابن عباس]

واضح رہے کہ جن روایات میں یہ آیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی صلاۃ عصر کو صلاۃ وسطیٰ کہا ہے وہ ساری روایات ضعیف ہیں، قدرے تفصیل کے لئے دیکھئے: [تفسیر سنن سعید بن منصور: ۹۱۷/۳ تا ۹۲۰ حاشیہ]

تیسری مثال:

ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے متعلق ایک اور مثال ایک بریلوی عالم کی زبانی سنئے، مولانا کریم شاہ ازہری بریلوی صاحب فرماتے ہیں:

ہم آپ کو فقہ کے بیسوں مسائل دکھا سکتے ہیں کہ فقہاء نے راوی کی روایت پر عمل کیا ہے اور اس کی رائے کو چھوڑ دیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر أصحابه أن يرملوا الأشواط الثلاثة. [بخاری: رقم: ۱۶۰۲]

اور آپ کا قول یہ ہے کہ ”ليس الرمل بسنة“ [سنن أبي داؤد: رقم: ۱۸۸۵] اب عمل روایت پر ہے ان کی رائے پر نہیں۔ (دعوت فکر و نظر: مطبوع در مجموعہ مقالات: ص: ۲۳۱)

اس دوسری مثال سے متعلق ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فإن قيل: إن ابن عباس قال في الرمل: ليس سنة، وهو راوى الحديث؟ قلنا: لا حجة في أحد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم“

”اگر کہا جائے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ رمل سنت نہیں ہے، اور رمل والی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ہی روایت کی ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف کسی کا قول بھی حجت نہیں ہے“ [المحلی لابن حزم، ط بیروت: ۸۴/۵]

☆ ثالثاً:

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی اس حدیث کے موافق بھی فتویٰ دیا ہے جیسا کہ اس سلسلے میں ان سے دس روایات آگے پیش کی جائیں گی، اس لئے یہ اعتراض سرے سے بے معنی ہو گیا۔

(ج) نام نہاد اور خیالی اجماع سے معارضہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تین طلاق کے ایک ماننے پر اجماع ہو گیا ہے اور غلط چیز پر امت کا اجماع نہیں ہو سکتا، اس لئے اجماع پر اس حدیث کو مقدم نہیں کریں گے بلکہ کوئی بھی تاویل و توجیہ کر کے اس حدیث کو ناقابل عمل قرار دیں گے۔

عرض ہے کہ:

❁ اولا:

یہاں جن بنیادوں پر اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان کی روشنی میں یہ اجماع معلوم نہیں بلکہ اجماع ظنی ہے اور اجماع ظنی قطعاً حجت نہیں ہے، اس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہے۔

❁ ثانياً:

تین طلاق کو تین ماننے پر کبھی بھی اجماع نہیں ہوا بلکہ ہر صدی میں اختلاف کا ثبوت موجود ہے نیز ہر صدی میں تین طلاق کے ایک ہونے کا فتویٰ دینے والے اہل علم بھی موجود رہے ہیں اس بارے میں آگے مکمل تفصیل آرہی ہے۔

❁ ثالثاً:

عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو سال میں اسی بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ تین طلاق ایک مانی جائے گی، اور اس دور میں اس اجماع کے خلاف کسی کا بھی کوئی قول موجود نہیں ہے، اس بارے میں تفصیل آگے آرہی ہے۔

لہذا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث حقیقی اجماع کے موافق ہے اور فریق مخالف جس اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں وہ کبھی واقع ہی نہیں ہوا ہے۔

(د) غیر مقبول ہونے کا دعویٰ

بعض لوگوں کا کہنا ہے اس روایت کو محدثین اور فقہاء نے قبول نہیں کیا ہے۔

عرض ہے کہ یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے، محدثین کے نزدیک اس روایت کے قبول ہونے کی زبردست دلیل یہی ہے کہ امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور صحیح مسلم کی احادیث کے صحیح و مقبول ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ چنانچہ:

✽ امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۱) نے کہا:

”لیس کل شیء عندی صحیح وضعته ہا ہنا إنما وضعت ہا ہنا ما أجمعوا علیہ“

”میں نے اس کتاب میں ہر صحیح حدیث درج نہیں کی ہے بلکہ صرف ان صحیح احادیث کو درج کیا ہے جن کی صحت پر

محدثین کا اجماع ہے“ [صحیح مسلم: ۴۱۲/۳۰ تحت رقم: ۴۰۴]

✽ محمد بن طاہر ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۰۷) فرماتے ہیں:

”أجمع المسلمون علی قبول ما أخرج فی الصحیحین لأبی عبد اللہ البخاری، ولأبی

الحسین مسلم بن الحجاج النیسابوری“

”صحیحین میں امام بخاری و مسلم نے جو احادیث روایت کی ہیں ان کی قبولیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے“ [صفوۃ

التصوف لابن القیسرانی: (ورقة ۸۷، ۸۸) بحوالہ احادیث الصحیحین بین الظن والیقین للشیخ الزاہدی]

✽ امام ابن الصلاح رحمہ اللہ (المتوفی ۶۴۳) لکھتے ہیں:

”جميع ما حکم مسلم بصحته من هذا الكتاب فهو مقطوع بصحته والعلم النظري حاصل

بصحته فی نفس الأمر وهکذا ما حکم البخاری بصحته فی کتابه وذلك لأن الأمة تلتقت

ذلك بالقبول سوى من لا يعتد بخلافه ووافقہ فی الإجماع“

”وہ تمام احادیث کہ جن کو امام مسلم نے اپنی کتاب میں صحیح کہا ہے ان کی صحت قطعی ہے اور ان سے حقیقت میں علم

نظری حاصل ہوتا ہے، اسی طرح معاملہ ان احادیث کا بھی ہے کہ جن کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں صحیح کہا

ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام امت کے نزدیک ان کتابوں کو ”تلقی بالقبول“ حاصل ہے سوائے ان افراد کے کہ جن

کے اختلاف یا اتفاق سے اس اجماع کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا“ [صیانة صحیح مسلم: ص: ۸۵]

✽ امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۶) فرماتے ہیں:

”اتفق العلماء رحمهم الله علی أن أصح الكتب بعد القرآن العزيز الصحیحان البخاری

و مسلم و تلقتهما الامة بالقبول“

”علماء رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ قرآن عزیز کے بعد سب سے صحیح کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہے، امت کی طرف

سے اسے تلقی بالقبول حاصل ہے“ [شرح النووی علیٰ مسلم: ۱۴۱]

✽ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷۴) فرماتے ہیں:

”أجمع العلماء علیٰ قبوله وصحة ما فيه، وكذلك سائر أهل الإسلام“

”صحیح بخاری کی مقبولیت اور اس کی احادیث کی صحت پر علماء اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے“ [البداية والنهاية ط

إحياء التراث: ۳۰/۱۱]

✽ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) نے کہا:

”وتلقى العلماء لكتابيهما بالقبول“

”علماء کے یہاں ان دونوں کتابوں کو تلقی بالقبول حاصل ہے“ [نزہة النظر فی توضیح نخبة الفكر: ص: ۶۰]

✽ ملا علی القاری رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۱۴) فرماتے ہیں:

”ثم اتفقت العلماء علیٰ تلقی الصحيحین بالقبول، وأنهما أصح الكتب المؤلفة“

”پھر علماء کا صحیحین کو قبول کرنے پر اتفاق ہے اور اس بات پر کہ تمام کتابوں میں یہ صحیح ترین کتابیں ہیں“ [مرفقة

المفاتيح للملا القاری: ۱۸/۱]

جہاں تک فقہاء کی بات ہے تو صحیح مسلم کی احادیث کی قبولیت پر اتفاق کرنے والوں میں فقہائے محدثین بھی شامل ہیں، نیز ہر صدی میں اس حدیث کے مطابق فتویٰ دینے والے فقہاء موجود رہے ہیں جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔

اور اس حدیث کی قبولیت پر اجماع ہونے کے بعد نیز ہر صدی میں فقہاء کی ایک جماعت کا اس پر اعتماد کرنے اور اس کے مطابق فتویٰ دینے کے بعد بعض فقہاء کا اسے قبول نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔

ہم یہاں احناف میں سے دو بڑے حنفی علماء کا حوالہ پیش کرتے ہیں جنہوں نے یہ شہادت کی ہے کہ محدثین و فقہاء نے اس حدیث کو نہ صرف صحیح تسلیم کیا ہے بلکہ اس سے استدلال کرتے ہوئے اس کے موافق موقف بھی اپنایا ہے۔

✽ امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۲۱) نے کہا:

حدثنا روح بن الفرغ قال ثنا أحمد بن صالح قال: ثنا عبد الرزاق قال: أخبرنا ابن جريج

قال: أخبرني ابن طاؤس، عن أبيه، أن أبا الصهباء قال لابن عباس: ”أتعلم أن الثلاث كانت تجعل

واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وثلاثا من إمارة عمر؟ قال ابن عباس: نعم

قال أبو جعفر: فذهب قوم إلى أن الرجل إذا طلق امرأته ثلاثا معا، فقد وقعت عليها واحدة إذا كانت في وقت سنة، وذلك أن تكون طاهرا في غير جماع. واحتجوا في ذلك بهذا الحديث “امام طحاوی اپنی سند سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ ابوالصہباء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: ”کیا آپ کو علم ہے کہ عہد رسالت، عہد صدیقی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی تین سال تک تین طلاق ایک شمار ہوتی تھی؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں!“

امام ابو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اہل علم کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاق دے دے تو وہ ایک ہی طلاق شمار ہوگی، اگر اس نے سنت کے مطابق دی ہے، وہ اس طرح کی بیوی کی پاکی کی حالت میں ہمبستری سے پہلے طلاق دیا، ان لوگوں نے یہ بات اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہی ہے [شرح معانی الآثار، ت النجار: ۵۵/۳]

❁ علامہ عینی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۵) فرماتے ہیں:

”ووضع البخاری هذه الترجمة إشارة إلى أن من السلف من لم يجوز وقوع الطلاق الثلاث، وفيه خلاف. فذهب طاؤس ومحمد بن إسحاق والحجاج بن أرطاة والنخعي وابن مقاتل والظاهرية إلى أن الرجل إذا طلق امرأته ثلاثا معا فقد وقعت عليها واحدة، واحتجوا في ذلك بما رواه مسلم“

”امام بخاری نے یہ ترجمہ قائم کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سلف میں کچھ لوگ ایسے تھے جو تین طلاق کے وقوع کے قائل نہ تھے، اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے، چنانچہ طاؤس، محمد بن اسحاق، حجاج بن ارطاة، نخعی، ابن مقاتل اور ظاہریہ کا کہنا ہے کہ اگر آدمی نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاق دے دیا تو اس پر ایک ہی طلاق واقع ہوگئی، اس کے لئے ان اہل علم نے صحیح مسلم کی حدیث سے استدلال کیا ہے“ [عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ۲۰ / ۲۳۳]

احناف کو کم از کم اپنے ان دو بڑے اماموں کی شہادت پر یقین کرنا چاہیے جو کہہ رہے ہیں کہ محدثین و فقہاء نے اس حدیث کو قبول کیا ہے اور اس سے استدلال کرتے ہوئے اس کے مطابق موقف اپنایا ہے۔

جاری ہے.....

(قسط ثانی)

وقف، معنی و مفہوم۔ ایک تجزیاتی مطالعہ

WAQF TERMINOLOGY, MEANING AND DEFINITION-AN ANALYTICAL STUDY

محمد مبارک مدنی (Welfare Office, HWB.)

4.0 عالمی قوانین میں وقف کا تعارف: (Defenation of Waqf in The World laws)

معمولی الفاظ کے فرق کے ساتھ تقریباً تمام ممالک کے اندر وقف کی تعریف اپنے مفہوم اور معانی کے حساب سے ایک جیسی ہے۔

4.1 (مصری Egypt) قانون کے مطابق وقف کہتے ہیں: ”حبس العین عن التصرف أو عن التملیک

لأحد ورصد منفعتها علی سبیل التأمین أو التأيید علی جهة من جهات الخیر ابتداء أو انتهاء“
ترجمہ: ”کسی بھی مال موقوف کو مالک کی ملکیت سے اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں منتقل کر دینا اور واقف کو موقوف کے تمام تصرفات سے روک دینا ہے۔ اس سے حاصل شدہ آمد کو ہمیشہ کے لیے کارخیر میں خرچ کرنا وقف کہلاتا ہے۔“

4.2 سوڈان (Sudan) کے قانون میں وقف کی تعریف یہ ہے کہ: ”بأنه حبس المال علی حکم

ملك اللہ تعالیٰ- والتصدق لمنفعته فی الحال أو المال“

4.3 ملک جزائر (Algeria) کے قانون میں وقف کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ”حبس العین عن

التملیک علی وجه التأيید والتصدق بالمنفعة علی الفقراء ، أو علی وجه من وجوه البر“

4.4 مملکت سعودی عرب (Saudia Arabia) کے قانون میں وقف جزل بورڈ کے دستور کی دفعہ (1) کے

مطابق وقف کہتے ہیں: ”المادة الأولى: الوقف العام: الوقف المشروط علی أوجه بر عامة معینة بالذات

أو بالوصف. الوقف الخاص (الأهلی): الوقف المشروط علی معین من ذریة وأقارب بالذات أو

بالوصف. الوقف المشترك: الوقف الذی یشترک فی شرطه أكثر من نوع من أنواع الوقف“

جزائر اور سوڈان کے سرکاری قانون میں جو وقف کی تعریف پیش کی گئی ہے وہ عربی الفاظ کی معمولی تبدیلی کے بعد

مصری قانون کے عین مطابق ہے۔ جبکہ سعودی عرب کے قانون میں وقف کی ڈائریکٹ تعریف نہ کر کے اس کی اقسام

کو واضح کیا گیا ہے۔ جس کا مفہوم بھی سابقہ مصری قانون کی طرح ہی ہے۔

4.5 یورپ، متحدہ امریکہ اور متحدہ برطانیہ (United States of America, UK , European

Countries) کے انڈر ٹرسٹ (Trust) سسٹم کو رائج کیا گیا۔ یہ وقف کے مماثل ہی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔

انگریزوں کے زیر استعمار اکثر اسلامی ممالک میں بھی وقف کے اسلامی نظام کو رواج نہ دے کر ٹرسٹ سسٹم (Trust Management) کو رواج دیا گیا تاکہ اس کی اسلامی شناخت برقرار نہ رہ سکے بلکہ اسلامی ممالک میں انگریزی استعمار نے وقف کے خود مختار اداروں کو کمزور کرنے کی نیت سے سرکاری تحویل میں لیا اور منصوبہ بند طریقے سے اس کے قوانین میں ترمیم کرتے رہے۔ آئندہ صفحات پر وقف کی تاریخ پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ ان شاء اللہ

4.6 ہندوستانی قانون میں وقف کی تعریف: (Definition of Waqf in Indian Laws):

ہندوستان (India) میں وقف کی تعریف (Waqf Act 1995 (as Amended in 2013))

مطابق مندرجہ ذیل ہے:

Waqf: "means the permanent dedication by any person, of any movable or immovable property for any purpose, recognised by the Muslim law as pious, religious or charitable"

ترجمہ: ”کسی بھی شخص کے ذریعہ کسی بھی قسم کی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد کو ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام اسلامی شریعت کے مطابق کسی کار خیر فابہی کام یا دیگر مذہبی مقاصد کی خاطر وقف کر دینا ہے۔“

وقف قانون (Waqf Act 1995) وقف جائیداد سے متعلق ہندوستان کا بنیادی قانون ہے۔ اس قانون کے اندر 2013 میں ہندوستانی پارلیمنٹ کے ذریعہ ضروری تبدیلیاں لائی گئیں۔ چنانچہ وقف کی تعریف ”وقف ایکٹ 1995“ کے الفاظ کے مطابق ”by any person professing Islam“ تھا۔ جس کو 2013 میں professing Islam کو ختم کر کے ”any person“ کر دیا گیا۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ اب کوئی بھی شخص چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم وقف کر سکتا ہے، جبکہ ”وقف ایکٹ“ 1995 کے مطابق وقف صرف مسلم شخص ہی کر سکتا تھا۔ اس تبدیلی کی بنیادی وجہ یہ ہوئی کہ بہت سے وقف ہندوستان کے اندر غیر مسلم قدیم راجاؤں کے نام سے ملتے ہیں۔ عدالتوں میں ”وقف ایکٹ“ 1995 کی تعریف کے مطابق وہ وقف تصور نہیں کیے جاسکتے تھے، ایسے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے مذکورہ تعریف کے الفاظ کو تبدیل کر کے ”any person“ یعنی کوئی بھی شخص کے ذریعہ عام رکھا گیا۔ مادر وطن ہندوستان کے معروف قانون ”وقف ایکٹ“ 1995 پر مستقل ایک مضمون لکھا جاسکتا ہے۔

مذکورہ ایکٹ کی تعریف میں انگریزی الفاظ کا صحیح مفہوم:

چونکہ ہندوستانی قانون کے تمام مسلمان پابند ہیں، وقف جائیداد بھی ہندوستان کی (Ministry of Minority) وزارت کے زیر انتظام ہیں جس کو وقف کا مرکزی ادارہ (Central Waqf Council) کے ذریعہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں موجود وقف بورڈ (Waqf Boards) کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے۔ اور مکمل وقف جائیداد اسی قانون کے زیر انتظام آتی ہیں سوائے جموں اور کشمیر کے۔ غالباً ایک سال پہلے اس قانون میں جموں اور کشمیر سے دفعہ 370 کے خاتمہ کے بعد ایک نئی ترمیم کی گئی ہے جس کے مطابق اب یہی قانون جموں اور کشمیر میں بھی وقف جائیداد پر بھی یکساں لاگو ہوگا۔ مزید معلومات کے لیے بتادوں کہ درگاہ خواجہ اجیر شریف کی وقف جائیداد اب اس قانون کے دائرہ سے باہر ہیں۔ اس کے لیے ہندوستان کا مستقل الگ قانون (Law) ہے جس کو (Dargah Khuaza Ajmer Act, 1955) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس لیے میں اپنے قارئین کو مذکورہ تعریف کی باریکیوں سے واقف کرانا چاہتا ہوں:

لفظ (Permanent Dedication) کا مطلب بالکل صاف ہے کہ دوام اور استمرار ضروری ہے وقتی اور مشروط وقف جائز نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے وقف کیا جائے گا۔ اور کسی طرح کے تصرف کا اختیار واقف کو نہیں رہے گا اور مال موقف کی ملکیت اب اللہ تعالیٰ کے نام منتقل ہو جائے گی۔

لفظ (any person) سے اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ وقف کوئی بھی مسلم یا غیر مسلم کر سکتا ہے۔

لفظ (any moveable or immovable) کے ذریعہ یہ پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی قانون کے مطابق کسی بھی طرح کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد چاہے کسی بھی صورت میں ہو اس کو وقف کہا جاسکتا ہے۔

لفظ (any purpose recognised by Muslim law) کے ذریعہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ وقف کے اغراض و مقاصد بہت سارے ہو سکتے ہیں مگر بنیادی شرط یہ ہے کہ اسلامی شریعت اس کا جواز فراہم کرتی ہے۔ چنانچہ شریعت اسلامیہ کی نظر میں کسی بھی حرام کام کے لیے وقف کرنا درست نہیں ہوگا اور نہ ہی وقف جائیداد کو حرام کام کے لیے کرایہ (lease or licence) پر دینا جائز ہوگا۔

لفظ (religious OR charitable as pious) کے الفاظ سے مثال دے کر مزید واضح کرنے کی یہ کوشش کی گئی ہے کہ وقف کا مقصد قوم و ملت کی تعمیر و ترقی ہے۔ اور وقف کا مال غریبوں، یتیموں اور محتاجوں کی امداد مذہبی اداروں مثلاً مساجد و مدارس، عید گاہ، مسافر خانہ اور قبرستان وغیرہ کی تعمیر میں خرچ کیے جائیں گے۔ واقف کو چاہیے کہ وہ وقف کرتے وقت ان مقاصد کو مد نظر رکھے۔

مذکورہ وقف ایکٹ کے اندر وقف کی تعریف (Defenation) کو ایک مسلم اسکالر اور شریعت اسلامیہ کے طالب علم جتنی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں شاید عام انسان اس کو اتنی آسانی سے نہیں سمجھ سکتے۔ وقف ایکٹ کی 2013 کی نئی ترمیم کی دفعہ 104A کے تحت بالکل واضح الفاظ میں کسی بھی قسم کی وقف جائیداد کو بیچنا، (Sale) ہدیہ دینا (Gift)، وراثت (Mortgage)، وقف جائیداد کا تبادلہ (Exchange) اور دوسرے کے نام انتقال (Transfer) منع ہے۔

اس دفعہ میں جائیداد کا تبادلہ یا ٹرانسفر سے متعلق شریعت اسلامیہ کے اندر ہدایات اور اس کے احکامات پر بعد میں روشنی ڈالوں گا کیونکہ مطلقاً اس کو منع کرنا کیا درست ہوگا؟ یہ تحقیق کا موضوع ہے۔ ہندوستان کے پس منظر میں وقف جائیدادوں سے متعلق بدعنوانی کے خدشات سے بچنے کے لیے شاید یہ اضافہ مفید ثابت ہوگا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ہندوستانی قانون کے اندر بھی وقف کی تعریف کافی حد تک جمہور فقہائے کرام کی معروف اور راجح تعریف کے مطابق ہے۔ مزید تبصرہ وقف کے دیگر مسائل کے ضمن میں کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

5.0 وقف کے مماثل الفاظ اور معانی in Islamic Waqf and it's meaning

:Law

وقف کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والے طالب علم بالخصوص وقف ڈپارٹمنٹ کے ملازمین اور منتظمین (employees of waqf department & it's management) کو وقف کے مماثل اور مترادفات (similar & synonyms words) کو سمجھنا نہایت ضروری ہے تاکہ ان کے صحیح اور شرعی مفہوم سے واقفیت ہو سکے ضروری ہے کہ ان الفاظ کے مابین بہت ہی معمولی فرق کو سمجھا جاسکے۔ اس سے وقف کے بہت سے پیچیدہ مسائل کا حل بھی نکالا جاسکتا ہے۔

1- وصیت (Wills): فقہاء کی اصطلاح میں وصیت کہتے ہیں کہ اپنی مرضی سے بھلائی کی خاطر اپنی وفات کے

بعد کسی کو اپنی جائیداد کا مالک بنانا۔ [رد المحتار علی الدر المحتار ابن عابدین 6/481]

وصیت اور وقف میں مشابہت یہ ہے کہ دونوں ہی کا مقصد بھلائی ہے۔

جبکہ فرق یہ ہے کہ وقف میں انسان اپنے مال کی ملکیت اپنی زندگی میں اللہ کے نام منتقل کرتا ہے اور وصیت مرنے کے بعد لاگو ہوتی ہے۔

2- صدقہ: (Charity) رضائے الہی کی خاطر اپنے مال وغیرہ کو رضا کارانہ طور پر غریبوں کو دینا۔ [المجموع

شرح المہذب للامام النووی: 6/246]

3- زکوٰۃ (compulsory donation - zaka): زکوٰۃ کے مال کو لازمی طور پر غرباء و مساکین کے لیے دینا واجب ہوتا ہے جبکہ صدقہ اپنی مرضی سے رضا کارانہ طور پر دیا جاتا ہے۔
دونوں کا مقصد رضائے الہی کا حصول ہے مگر صدقہ نفعی ہوتا ہے جبکہ زکوٰۃ فرض ہے۔
وقف اور صدقہ دونوں کا مقصد بھلائی اور رضائے الہی کا حصول ہے مگر صدقہ زیادہ عام ہے وقف سے۔
چنانچہ ہر وقف صدقہ کہلائے گا مگر ہر صدقہ وقف نہیں ہو سکتا ہے۔
وقف کے ذریعہ کسی اصل مال سے حاصل شدہ صرف منافع کی ملکیت منتقل کی جاتی ہے جبکہ صدقہ میں اصل مال اور اس کا منافع دونوں ہی کی ملکیت منتقل کی جاتی ہے۔

یہی حال زکوٰۃ کا بھی ہے۔

زکوٰۃ کا مال مخصوص لوگوں سے لے کر مخصوص لوگوں کو دیا جاتا ہے جبکہ وقف کوئی بھی کر سکتا ہے اور کسی بھی شرعی مقاصد کی خاطر کیا جاسکتا ہے۔

4- ہبہ (Gift): کہتے ہیں بغیر کسی عوض کے رضائے الہی کی خاطر کسی مال کی ملکیت دوسرے کو عطا کرنا۔ [مغنی المحتاج إلى معرفة معانی ألفاظ المنہاج للامام الشریبینی الشافعی، المغنی لابن قدامة المقدسی: 416]

وقف اور ہبہ میں فرق یہ ہے کہ ہبہ لفظ کا معنی وقف سے زیادہ عام ہے۔

چنانچہ ہبہ کے ذریعہ کسی بھی مال اور اس سے حاصل شدہ فائدہ کی ملکیت منتقل کی جاتی ہے جبکہ وقف میں صرف نفع کی ملکیت منتقل کی جاتی ہے نہ کہ اصل مال کی ملکیت بلکہ اس کا مالک اللہ کو بنایا جاتا ہے۔

5- الحسب (prohibition): کسی شخص کا اپنے مال میں تصرف سے روکنا۔ (مجموع الفتاویٰ للشیخ الاسلام ابن تیمیہ) بالفاظ دیگر وقف کرنا۔

دونوں الفاظ میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ مشہور فقہاء کے مطابق مترادف (synonyms) ہیں۔

6- التبرع (Donation): اپنی مرضی سے رضا کارانہ طور پر کسی پر احسانا اور بھلائی کی خاطر کوئی چیز دینا۔ [درر الحکام شرح مجلة الأحکام لعلى حیدر]

چنانچہ تبرع لفظ وقف سے زیادہ عام ہے۔

ہر وقف تبرع کہلاتا ہے مگر ہر تبرع، وقف نہیں ہو سکتا۔ بالکل لفظ صدقہ کی طرح۔

البر (piety - pious)، الاحسان (charity) اور الخیر (goodness) بھی التبرع اور الصدقہ کے ہی

مترادف (synonyms) الفاظ ہیں۔

7- وقف اور ٹرسٹ میں فرق (Difference between Trust and Waqf):

وقف کی جائیداد کا مالک اللہ تعالیٰ ہوتا ہے جبکہ ٹرسٹ کا مالک انسان۔

وقف جائیداد کو واپس نہیں لیا جاسکتا جبکہ ٹرسٹ جائیداد کو اصل مالک اپنی ملکیت میں دوبارہ لے سکتا ہے۔

وقف صرف ان مقاصد کے لیے کیا جاسکتا ہے جن کی اجازت شریعت اسلامیہ میں ہے جبکہ ٹرسٹ کسی بھی ملک

کے قانون کی مطابق جائز چیزوں کے لیے کیا جاسکتا ہے۔

دونوں کا مقصد عوام الناس کی فلاح و بہبودی اور ان کو مختلف سہولیات فراہم کرنا ہی ہے۔

15.1 اسلام (Islam)، اسلامی قانون (Islamic OR Muslim law)، قانون محمدی (

Mohammadan law)، اسلامی شریعت یا فقہ اسلامی (Islamic Jurisprudence OR Fiqh-e-

islami

مذکورہ الفاظ کا استعمال عالمی قوانین بالخصوص ہندوستانی عدالت اور قوانین میں بار بار استعمال کیا جاتا ہے۔

مختلف الفاظ کے استعمال سے بعض دفعہ اسلامی تعلیم کی قلت یا فقدان سے بعض مسلم وکلاء (Advocates) اور

آفیسران (Officers) یا وقف ملازمین (waqfe employees) کو سمجھنے میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یہ تمام الفاظ اسلام اور اس کے قوانین کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جس کی بنیاد قرآن (The Qur'an) و

حدیث (Prophets Hadiths) اور آثار صحابہ (Doings of his companion)، اجماع (

Consensus) اور قیاس (anylogy) پر قائم ہے۔

عمومی طور پر ان الفاظ کا استعمال اگر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد اسلام اور اس کے شرعی قوانین (بنیادی طور پر قرآن

و حدیث اور اجماع و قیاس) کے ساتھ فقہاء کرام مثلاً ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن

حنبل کے علاوہ دیگر سنی فقہاء مذاہب کی فقہ مراد لیے جاتے ہیں یعنی مذہب اسلام ہی مراد ہوتا ہے۔

صرف لفظ شریعت اسلامیہ یا فقہ اسلامی کے خصوصی استعمال سے بعض دفعہ مخصوص اسلامی فقہ یا مسلک مراد ہوتا

ہے مثلاً فقہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور فقہ شیعہ وغیرہ۔ کسی کلام میں موجود عام لفظ کے سیاق و سباق سے آسانی سمجھا جا

سکتا ہے کہ وہاں پر اسلام کا مکمل نظام مراد ہے یا پھر مخصوص اسلامی فقہ اور مسلک مراد ہے۔

جاری ہے.....

قسط: (۳)

مبادئی توحید ربوبیت

عبداللہ الباقی السلم

۷۔ دلیل فطرت وہ علمی واردای قوت ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ انسانوں کو پیدا کرتا ہے، اور انہی دونوں قوتوں کے ذریعہ خیر و شر کے درمیان تفریق کرنے پر وہ قادر ہوتے ہیں۔ دیکھیں: [دلائل الربوبیة: ص: ۳۰]

فطرت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: فطرت معرفت: اللہ کی معرفت فطری طور پر انسانی دلوں کے اندر مرکوز ہوا کرتی ہے، جو کسی بھی وجہ سے بدلتی ہے اور نہ اس میں کچی آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ

قَالُوا بَلَىٰ ۗ

”اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اس ذریت سے جو ان کے ہیکل سے (نسلاً بعد نسل) پیدا ہونے والی تھی عہد لیا تھا اور انہیں (یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کی فطرت میں) خود اس پر گواہ ٹھہرایا تھا ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ سب نے جواب دیا تھا: ”کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہی ہمارا رب ہے)“ [الاعراف:

[۱۷۲]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقوله: ”(أَشْهَدَهُمْ) يقتضى أنه هو الذى جعلهم شاهدين على أنفسهم بأنه ربهم، وهذا

الإشهاد مقرون بأخذهم من ظهور الآباء.....“

”اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ”(ان کو گواہ بنایا) اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ ہی نے ان سے ان کے مقابلے میں یہ اقرار لیا کہ وہی ان کا رب ہے اور انہوں نے اپنے باپ کی پیٹھ سے (نکلنے سے قبل ہی) اس گواہی کا اقرار کیا ہے“ [درء

تعارض العقل والنقل: ۸/۴۸۷]

مزید فرماتے ہیں:

”فَإِذَا كَانَ فِي فِطْرَتِهِمْ مَا شَهِدُوا بِهِ مِنْ أَنَّ اللَّهَ وَحْدَهُ هُوَ رَبُّهُمْ، كَانَ مَعَهُمْ مَا يَبِينُ بِطَلَانِ هَذَا الشَّرْكَ، وَهُوَ التَّوْحِيدَ الَّذِي شَهِدُوا بِهِ عَلَى أَنْفُسِهِمْ، فَإِذَا احْتَجُوا بِالْعَادَةِ الطَّبِيعِيَّةِ مِنْ اتِّبَاعِ الْآبَاءِ، كَانَتْ الْحُجَّةُ عَلَيْهِمُ الْفِطْرَةَ الطَّبِيعِيَّةَ الْعَقْلِيَّةَ السَّابِقَةَ لِهَذِهِ الْعَادَةِ الْاِبْتِغَاءِيَّةِ“

”تو جب ان کی فطرت میں وہ (معرفت موجود) ہے جس کی انہوں نے گواہی دی ہے، یعنی صرف اللہ ہی ان کا پروردگار ہے، لہذا ان کے پاس (یہ ایک ایسی دلیل ہے) جو اس شرک کا باطل ہونا بیان کرتی ہے اور (یہ دلیل دراصل) وہ توحید ہے جس کی گواہی خود انہوں نے دی ہے، چنانچہ اگر وہ باب (دادا) کی اتباع کو (اپنے شرک کے لیے) دلیل بنائیں تو اس وراثتی عادت کے تئیں سابقہ طبعی و عقلی فطرت ان کے خلاف (ایک ٹھوس اور مضبوط) دلیل ہے“ [درء تعارض العقل والنقل: 491/8]

علامہ ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”خدا کی ہستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے اور فطرت انسانی کی اصلی آواز ”بلسی“ ہے، یعنی تصدیق ہے، انکار نہیں ہے، اور اسی لیے کوئی انسان اپنی غفلت کے لیے معذور نہیں ہو سکتا ہے اور یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ آباء و اجداد کی گمراہی سے میں بھی گمراہ ہو گیا کیونکہ اس کے وجود کے باہر گمراہی کے کتنے ہی موثرات جمع ہو جائیں لیکن اس کی فطرت کی اندرونی آواز کبھی دب نہیں سکتی ہے، بشرطیکہ وہ خود اس کے دبانے کے درپے نہ ہو جائے اور اس کی طرف سے کان بند نہ کر لے“ (ترجمان القرآن: 93/2)

گویا ربوبیت کی یہ معرفت وجود میں آنے سے پہلے ہی انسانوں کے دلوں میں موجود ہوا کرتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق فرماتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿فَطَرَتِ اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾

” (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں“ [الروم: 30]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”كون الخلق مفطورين على دين الله، الذين هو معرفة الله والإقرار به.....“

”اور انسان اللہ کے دین پر پیدا کیے گئے ہیں جو (درحقیقت) اللہ کی معرفت اور اس (کی ربوبیت) کا اقرار

ہے“ [درء تعارض العقل والنقل: ۴/۳۲۲]

اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو نہ بدل سکتی ہے اور نہ ہی کسی خارجی موثر سے متاثر ہو سکتی ہے۔

دوسری قسم: فطرت تالہ: انسان جب اپنی اصل فطرت میں باقی رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے متعلق اس فطری معرفت کی وجہ سے وہ تعظیم و محبت کے ساتھ اپنے رب کی طرف قصد و توجہ کرتا ہے۔
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فی قلوب بنی آدم محبة وإرادة لما يتألهونہ ويعبدونہ، و ذلك قوام قلوبہم و صلاح نفوسہم.....“

”و حاجتہم إلی التألہ أعظم من حاجتہم إلی الغذاء، فإن الغذاء إذا فقد یفسد الجسم، و یفقد التألہ تفسد النفس، ولن یصلحہم إلا تألہ اللہ و عبادتہ و حدہ لا شریک لہ، و ہی الفطرة التي فطروا علیہا“

”بنی آدم کے دلوں میں اس (معبود) کی محبت اور ارادہ ہوتا ہے جس کی طرف (محبت و تعظیم اور عاجزی کے ساتھ) قصد کرتا ہے، اور اس کی عبادت کرتا ہے، اور (یقیناً) یہی ان کے دلوں کے نظام اور نفوس کی بہتری (کا سبب) ہے.....“ [قاعدة فی المحبة: ص: ۴۴]

اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) غذا کی ضرورت سے زیادہ وہ تالہ کے ضرورت مند ہیں کیونکہ غذا کے مفقود ہونے سے جسم برباد ہوتا ہے مگر (کسی کے اندر) تالہ (کا اعتقاد) مفقود ہو تو اس سے (اس کی) روح فاسد قرار پاتی ہے اور (ان کی زندگی میں) اللہ کی طرف محبت و تعظیم کے ساتھ قصد و توجہ اور صرف اسی کی عبادت بہتری لاسکتی ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور (حق یہ ہے کہ) یہی وہ فطرت ہے جس پر وہ پیدا کیے گئے ہیں۔
اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فالقلوب مفطورة علی محبة إلهها و فاطرها و تألہہ، فصرف ذلك التألہ و المحبة إلی غیرہ تغیر للفطرة“

”پس دل ان کے معبود اور خالق کی محبت و تالہ (تعظیم و انکساری کے ساتھ قصد کرنے) پر پیدا کیے گئے ہیں، چنانچہ اس تالہ و محبت کو اس کے سوا کسی دوسرے کے لیے پھیرنا تغیر فطرت ہے“ [إغاثة اللفان فی مصادب الشيطان: ص: ۸۸۹]

لہذا معلوم ہوا کہ فطرتِ معرفت دراصل فطرتِ تالہ کو مستلزم ہے، مگر جب انسان اپنے رب سے متعلق فطری معرفت کی بنا پر محبت و تعظیم کے ساتھ اس کی طرف قصد کرتا ہے تو اس کی یہ خالص توجہ بسا اوقات خارجی موثرات سے متاثر ہوتی ہے، جیسا کہ شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فإن الله تعالى فطر عباده على الدين الحنيف القيم، فكل أحد مفطور على ذلك، ولكن الفطرة قد تغير وتبدل، بما يطرأ عليها من العقائد الفاسدة“

”بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سچے (اور) دین حنیف پر پیدا فرمایا ہے، چنانچہ ہر شخص اسی (فطرت) پر پیدا کیا گیا ہے، مگر (یہ) فطرت بسا اوقات اس میں طاری ہونے والے فاسد عقائد کی وجہ سے بدل سکتی ہے“ [تفسیر سعدی: ص: ۳۰۸]

گویا فطرتِ تالہ بعض موثرات کی وجہ سے متاثر ہوا کرتی ہے اور انسان دین حنیف سے منحرف ہو جاتا ہے۔ اور استقرائے نصوص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فطرتِ تالہ کے دو اہم موثرات ہیں:

۱۔ ماحول: انسان جس ماحول اور جس معاشرے میں آنکھیں کھولتا ہے، اسی کے اعتبار سے اس کی پرورش ہوتی ہے، پھر وہ موروثی اعتقادات کی وجہ سے بسا اوقات اصل فطرت سے منحرف ہو جاتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ“

”ہر بچہ فطرت (توحید) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں“

[صحیح البخاری: ح: ۱۳۵۹، و صحیح مسلم: ح: ۲۶۵۸]

نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں ”یُسلّمَانِه“ نہیں فرمایا، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو اپنی معرفت، محبت اور قصد عبادت پر پیدا فرمایا ہے۔ دیکھیں: [فتح الباری: ۲۵۰/۳، و شرح النووی: ۸۴/۴]

۲۔ شیطان: یہ ملعون اور اس کے چیلے ہر موڑ پر انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے کمر بستہ ہوا کرتے ہیں اور اسی شیطان رجیم کی وجہ سے سب سے پہلی بار دین حنیف سے لوگ انحراف کے شکار ہوئے، جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وإني خلقت عبادي حنفاء كلهم، وإنهم أتتهم الشياطين فاجتالتهم عن طريق م.....“

”اور میں نے اپنے بندوں کو یکسو ہونے والا (صرف اپنے خالق کی طرف متوجہ ہونے والا) پیدا کیا، پس شیاطین

نے ان کو ان کے دین سے گمراہ کر دیا.....“ [صحیح مسلم: ح: ۲۸۶]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی فطرتِ تالہ میں واقع ہونے والے والے انحراف سے لوگوں کو روکنے اور صحیح و سچے راستے کی رہنمائی کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور سب نے لوگوں کے دلوں میں موجود فطرتِ معرفت (ربوبیت) کو حجت بنا کر انہیں فطرتِ تالہ (الوہیت) کی دعوت دی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾

”ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ اس معبودِ حقیقی پر کوئی شک (بھی ہے کیا؟) جو آسمان و زمین کو پیدا کرنے

والا ہے“ [سورۃ ابراہیم: ۱۰] دیکھیں: [الربوبیۃ للڈاکٹر اُبی سیف الجہنی: ص: ۲۴-۲۹]

اس باب میں وارد نصوص کے استقراء سے واضح ہوتا ہے کہ اصل عقیدہ کے دو مصادر ہیں:

۱- فطرت

۲- بعثتِ رسل (علیہم السلام)

(یہ علمی فائدہ ڈاکٹر ابو سیف جہنی حفظہ اللہ کے درس سے مستفاد ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ:

۱- فطرتِ معرفت فطرتِ تالہ کو مستلزم ہے، جبکہ فطرتِ تالہ فطرتِ معرفت کو متضمن ہے۔

۲- فطرتِ معرفت تو حیدر ربوبیت کا تقاضا کرتی ہے، جبکہ فطرتِ تالہ تو حیدر الوہیت کا تقاضا کرتی ہے۔

۳- فطرتِ معرفت میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی ہے، جبکہ فطرتِ تالہ بعض موثرات (ماحول و شیطین) سے متاثر

ہو سکتی ہے۔

۴- اصل عقیدہ کے دو مصادر ہیں: فطرت اور بعثتِ رسل (علیہم السلام)

۸- دلیل اتقان: دنیا اور اس میں پائی جانے والی تمام مخلوقات اور اس عظیم کائنات کا مضبوط نظام اس بات پر

دلالت کرتا ہے کہ دنیا میں کوئی تو ہے جس نے کارہائے عالم کو سنبھال رکھا ہے، جس کی وجہ سے یہ نظام ربوبیت باقی

ہے، اور اس نظام عالم کا ایک ایک جزء اس رب کائنات کے علم و حکمت پر دلالت کرتا ہے، ہزار ہا ہزار سال بیت گئے مگر

اس متقن و محکم نظام میں کبھی کوئی خلل واقع نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي أَتَقَنَ كُلَّ شَيْءٍ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ﴾

” (یہ) اللہ کی کارگیری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا“ [النمل: ۸۸]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أى: يفعل ذلك بقدرته العظيمة الذى قد أتقن كل ما خلق ، وأودع فيه من الحكمة ما أودع“

یعنی: ”وہ اسے اپنی عظیم قدرت کے ذریعہ انجام دیتا ہے جس نے اپنی مخلوقات کو متقن بنایا اور ان میں اپنی خاص حکمتیں ودیعت کر دی ہیں“

کارخانہ ہستی کا یہ محکم نظام ربوبیت اور اس میں پائی جانے والی مختلف قسم کی مخلوقات میں سے ہر ایک کے لیے ایک خاص نظام حیات ہے، سب کے لیے ایک حد مقرر ہے، اور ان تمام امور میں جس کی تدبیر کا فرما ہے وہ رب العالمین کی ذات مقدسہ ہے، چنانچہ ”ہم دیکھتے ہیں دنیا میں سو مند اشیاء کی موجودگی کے ساتھ ان کی بخشش و تقسیم کا بھی ایک نظام موجود ہے، اور فطرت صرف بخشش ہی نہیں بلکہ جو کچھ بخشش ہے ایک مقررہ انتظام اور ایک منضبط ترتیب و مناسبت کے ساتھ بخشش ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لیے جس چیز کی ضرورت تھی اور جس جس وقت اور جیسی جیسی مقدار میں ضرورت تھی ٹھیک ٹھیک اسی طرح انہی وقتوں میں اور اسی مقدار میں مل رہی ہے اور اس نظم و انضباط سے تمام کارخانہ حیات چل رہا ہے“ [ترجمان القرآن: 711]

کائنات کی یہ منضبط ترتیب اور مقررہ انتظام مجملہ ربوبیت الہی کے واضح ترین دلائل میں سے ایک ہے، چنانچہ امام ابن مندہ رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف ”کتاب التوحید“ میں ایک باب قائم کیا ہے:

”ذكر ما استدل به أولو الألباب من الآيات الواضحة التي جعلها الله عز وجل دليلاً لعباده

من خلقه على معرفة وحدانيته من انتظام صنعه وبدائع حكمته فى خلق السموات والأرض“

یعنی: ”آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے متعلق اللہ عزوجل کی غیر معمولی کاریگری و بے مثال حکمتوں کے دلائل کا بیان

جن سے اس کی وحدانیت کی معرفت حاصل ہوتی ہے“ [کتاب التوحید: 971]

اور یقیناً کائنات عالم کا یہ متقن نظام ربوبیت اللہ عزوجل کے وجود پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمہ

اللہ فرماتے ہیں:

”.....وهذا كله من أدل الدلائل على الخالق لها سبحانه، وعلى إتقان صنعه، وعجيب تدبيره،

ولطيف حكمته، فإن فيما أودعها من غرائب المعارف، وغوامض الحيل، وحسن التدبير

والتأتى لما تريده، ما يستنطق الأفواه بالتسبيح، ويملأ القلوب من معرفته، ومعرفة حكمته

وقدرتہ“

”اور یہ سب واضح ترین دلائل ہیں ان (مخلوقات) کے خالق (کے وجود) پر جو (ہر قسم کے عیوب و نقائص سے) پاک ہے، اور اس کی مضبوط کاریگری، عجیب تدبیر اور اس کی باریک حکمت پر، بے شک اس نے ان (مخلوقات) کے اندر جن بے مثال معارف، باریک حکمتوں اور ان کے منشا کے تئیں جس بہترین تدبیر و اعلیٰ حکمت علمی کو ودیعت فرمایا ہے، (اس سے) زبانیں (اس ذات عالی کی) تسبیح و پاکی بیان کرنے لگ جاتی ہیں اور دل اس (خالق حقیقی) کی معرفت اور اس کی حکمت و قدرت کی معرفت سے بھر جاتے ہیں“ [سفاء العلیل: ۲۰۷/۱]

اور علامہ ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے: ”کائنات کے تمام اعمال و مظاہر کا اس طرح واقع ہونا کہ ہر چیز بڑھنے والی اور ہر تاثیر زندگی بخشنے والی ہے، اور پھر ایک ایسے نظامِ ربوبیت کا موجود ہونا جو ہر حالت کی رعایت کرتا اور ہر طرح کی مناسبت ملحوظ رکھتا ہے، ہر انسان کو وجدانی طور پر یقین دلاتا ہے کہ ایک پروردگارِ عالم کی ہستی موجود ہے، اور وہ ان تمام صفات سے متصف ہے جن کے بغیر نظامِ ربوبیت کا یہ کامل اور بے عیب کارخانہ وجود میں نہیں آسکتا تھا“ (ترجمان القرآن: ۸۶/۱)

اور اس رب العالمین نے کائنات کی ہر مخلوق کے لیے ایک ایسا بہترین نظام تیار کیا ہے کہ ہر چیز ضبط و ترتیب کے ساتھ واقع ہوئی ہے، جیسا کہ علامہ ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کائناتِ خلقت اور اس کی ہر چیز کی بناوٹ کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ ہر چیز ضبط و ترتیب کے ساتھ ایک خاص نظام و قانون میں منسلک ہے اور کوئی شے نہیں جو حکمت و مصلحت سے خالی ہو.....“ (ترجمان القرآن: ۸۳/۱)

لہذا معلوم ہوا کہ اس محکم و متقن نظامِ کائنات میں تدبیر کرنے والا صرف اللہ عزوجل ہے، جس کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی ہل سکتا ہے اور نہ ہی ایک دانہ اُگ سکتا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں علامہ ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”گیہوں کا ایک دانہ اپنی ہتھیلی پر رکھ لو اور اس کی پیدائش سے لے کر اس کی پختگی و تکمیل تک کے تمام احوال و ظروف پر غور کرو کیا یہ حقیر سا ایک دانہ بھی وجود میں آسکتا تھا اگر تمام کارخانہ ہستی ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ اس کی بناوٹ میں سرگرم نہ رہتا؟ اور اگر دنیا میں ایک ایسا نظامِ ربوبیت موجود ہے تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ربوبیت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہو؟“! (ترجمان القرآن: ۸۹/۱)

جاری ہے.....

جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی کیا اسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کاٹنے کا حکم دیا تھا؟

کفایت اللہ سٹاٹلی

سوال:

مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی اس کو کاٹنے کا حکم دیا۔ کیا یہ روایت صحیح ہے؟

جواب:

مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت اس طرح ہے:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۵) نے کہا:

حدثنا معاذ بن معاذ، قال: أخبرنا ابن عون، عن نافع، قال: بلغ عمر بن الخطاب أن ناسا يأتون

الشجرة التي بويع تحتها، قال: فأمر بها فقطعت.

نافع کہتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی کی لوگ اس درخت کی زیارت کرتے ہیں جس کے

نیچے بیعت ہوئی تھی تو آپ کے حکم سے اس درخت کو کاٹ دیا گیا۔ [مصنف ابن ابی شیبہ، ط الفاروق: ۳/۳۳۰]

یہ روایت منقطع ہے۔

نافع کا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

لیکن صحیح بخاری کی حدیث ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶) نے کہا:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ طَارِقِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: انْطَلَقْتُ

حَاجًّا، فَمَرَرْتُ بِقَوْمٍ يُصَلُّونَ، قُلْتُ: مَا هَذَا الْمَسْجِدِ؟ قَالُوا: هَذِهِ الشَّجَرَةُ، حَيْثُ بَايَعَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ، فَاتَيْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ سَعِيدٌ، حَدَّثَنِي أَبِي

”أَنَّهُ كَانَ فِيمَنْ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، قَالَ: فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنَ الْعَامِ

الْمُقْبِلِ نَسِينَاهَا، فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَيْهَا“، فَقَالَ سَعِيدٌ: إِنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ

يَعْلَمُوهَا وَعَلِمْتُمُوهَا أَنْتُمْ فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ.

طارق بن عبد الرحمن نے بیان کیا کہ حج کے ارادے سے جاتے ہوئے میں کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جو نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون سی مسجد ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ وہی درخت ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی۔ پھر میں سعید بن مسیب کے پاس آیا اور میں نے انہیں اس کی خبر دی انہوں نے کہا مجھ سے میرے والد مسیب بن حزن نے بیان کیا وہ ان لوگوں میں تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس درخت کے تلے بیعت کی تھی۔ کہتے تھے جب میں دوسرے سال وہاں گیا تو اس درخت کی جگہ کو بھول گیا۔ سعید نے کہا نبی کریم ﷺ کے اصحاب تو اس درخت کو پہچان نہ سکے۔ تم لوگوں نے کیسے پہچان لیا (اس کے تلے مسجد بنا لی) تم ان سے زیادہ علم والے ٹھہرے“ [صحیح البخاری: ح: ۴۱۶۳]

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اصل درخت جس کے نیچے بیعت ہوئی تھی لوگ اسے بھول چکے تھے۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے سیلاب وغیرہ کی زد میں آ کر خود بخود اس درخت کے نام و نشان مٹ گئے تھے۔
امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی ۴۰۵) نے کہا:

”وكانت الشجرة بالقرب من البئر ثم إن الشجرة فقدت بعد ذلك فلم توجد وقالوا إن السيول ذهب بها فقال سعيد بن المسيب سمعت أبي وكان من أصحاب الشجرة يقول: قد طلبناها غير مرة فلم نجدها“ [معرفة علوم الحديث للحاكم: ص: ۶۴]

لیکن بخاری کی اسی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے علاوہ ایک دوسرے درخت کے بارے میں کچھ لوگ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ یہی وہ درخت ہے جس کے نیچے بیعت ہوئی تھی۔ ممکن ہے اسی درخت کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کٹوا دیا ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸) نے کہا:

وأمر عمر رضي الله عنه بقطع الشجرة التي توهموا أنها الشجرة التي بويع الصحابة تحتها بيعة الرضوان. لما رأى الناس ينتابونها ويصلون عندها، كأنها المسجد الحرام، أو مسجد المدينة“ [اقتضاء الصراط المستقيم: ۲۶۱/۱۷]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس قول میں بھی یہی وضاحت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جس درخت کو کاٹا تھا وہ بیعت رضوان والا درخت نہیں تھا بلکہ کوئی اور درخت تھا جسے لوگوں نے بیعت رضوان کا درخت باور کر لیا تھا اور اس سے عقیدتیں وابستہ ہو گئی تھیں اس لئے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے کٹوا دیا۔ واللہ اعلم

کیا قدم سے قدم ملانا سنت نہیں ہے؟

حسان بن عبدالغفار

قارئین کرام! بعض حضرات کا کہنا ہے کہ نماز میں قدم سے قدم اور کندھے سے کندھا ملانا سنت نہیں ہے، سنت صرف یہ ہے کہ صف کو سیدھا رکھا جائے اور بیچ میں خلل نہ چھوڑا جائے۔

تو آئیے سب سے پہلے ہم چند احادیث دیکھتے ہیں۔

۱۔ ”أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ، وَتَرَاصُوا“

”اپنی صفیں برابر کرلو اور خوب مل کر کھڑے ہو جاؤ“ [صحیح البخاری: ۷۱۹]

۲۔ ”أَقِيمُوا الصُّفُوفَ، وَحَاذُوا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ، وَسُدُّوا الْخَلَلَ، وَلِينُوا بِأَيْدِي إِخْوَانِكُمْ وَلَا

تَذَرُوا فُرُجَاتٍ لِلشَّيْطَانِ، وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللَّهُ، وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللَّهُ“

”صفوں کو درست کرلو، کندھوں کو برابر رکھو، درمیان میں فاصلہ نہ رہنے دو اور اپنے ہاتھوں کے ہاتھوں میں نرم بن جاؤ اور شیطان کے لیے خلا نہ چھوڑو، جس نے صف کو ملایا اللہ اسے ملائے اور جس نے صف کو کاٹا اللہ اسے کاٹے“

[سنن ابی داؤد: ۶۶۶، صحیح]

۳۔ ”رُضُوا صُفُوفَكُمْ، وَقَارِبُوا بَيْنَهَا، وَحَاذُوا بِالْأَعْنَاقِ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرَى

الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَدَفُ“

”اپنی صفوں میں خوب مل کر کھڑے ہو کرو، انہیں قریب قریب بناؤ اور گردنوں کو بھی برابر رکھو، قسم اس ذات کی

جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں دیکھتا ہوں کہ شیطان تمہاری صفوں کی خالی جگہوں میں گھس آتا ہے گویا وہ بکری

کا بچہ ہو“ [سنن ابی داؤد: كِتَابُ الصَّلَاةِ: تَفْرِيعُ أَبْوَابِ الصُّفُوفِ، بَابُ: تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ: ۶۶۷]

۴۔ ”أَلَا تَصْفُونَ كَمَا تَصَفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟ فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَكَيْفَ تَصَفُّ

الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟ قَالَ: يَتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْأُولَى، وَيَتَرَاصُونَ فِي الصَّفِّ“

”تم اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح بارگاہ الہی میں فرشتے صف بستہ ہوتے ہیں؟ ہم نے پوچھا

: اے اللہ کے رسول! فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ پہلی صفوں کو

کامل کرتے ہیں اور صف میں ایک دوسرے کے ساتھ خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں“ [صحیح مسلم: كِتَابُ الصَّلَاةِ،

بَابُ: الْأَمْرُ بِالسُّكُونِ فِي الصَّلَاةِ: ۴۳۰]

علماء لغت کے یہاں ”تراص“ کا معنی:

علماء لغت نے ”تراص“ کا جو معنی بیان کیا ہے وہ یہ ہے:

ایک دوسرے سے ملنا۔

ایک دوسرے سے چپک جانا۔

بطور مثال دیکھیں:

ابو عبید قاسم بن سلام کہتے ہیں: ”تراصوا بینکم فی الصلاة لا تتخللکم الشیاطین كأنہا بنات حذف“. قال الکسائی: ”التراص أن یلصق بعضهم ببعض حتى لا یكون بینہم خلل“ [غریب

الحديث: ۲۰۵/۳]

امام خلیل الفراهیدی کہتے ہیں: ”رَصَصْتُ الْبُنْيَانَ رَصًّا إِذَا ضَمَمْتُ بَعْضَهُ إِلَى بَعْضٍ. وَرَجُلٌ أَرْضُ

الْأَسْنَانِ أَيْ رَكَبَ بَعْضُهَا بَعْضًا، وَمِنْهُ التَّرَاصُ فِي الصَّفِّ“ [العین: ۸۳/۷]

امام الرازی کہتے ہیں: ”رَصَّ الشَّيْءُ أَلْصَقَ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ، وَتَرَاصَ الْقَوْمُ فِي الصَّفِّ أَيْ:

تَلَاصَقُوا“ [مختار الصحاح: ۱۲۳/۱]

ابن منظور کہتے ہیں: ”تَرَاصَ الْقَوْمُ: تَضَامُوا وَتَلَاصَقُوا، وَفِي الْحَدِيثِ: ”تَرَاصُوا فِي الصَّلَاةِ“ أَيْ

تَلَاصَقُوا. قَالَ الْكِسَائِيُّ: التَّرَاصُ أَنْ يَلْصَقَ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ حَتَّى لَا يَكُونَ بَيْنَهُمْ خَلْلٌ وَلَا فُرْجٌ،

وَأَصْلُهُ تَرَاصُوا مِنْ رَصَّ الْبِنَاءِ يَرُصُّهُ رَصًّا إِذَا أَلْصَقَ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ فَأُدْغِمَ“ [لسان العرب: ۴۰/۷]

احمد مختار عمر کہتے ہیں: ”تراص المصلون: ارتصوا، انضم بعضهم إلى بعض“ [معجم اللغة العربية

المعاصرة: ۸۹۹/۲]

لفظ ”تَرَاصُوا“ اور ”رُصُوا“ کا معنی صحابہ کرام کے نزدیک:

جب رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ”أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ، وَتَرَاصُوا“ اور ”رُصُوا

صُفُوفَكُمْ، وَقَارِبُوا بَيْنَهُمَا، وَحَادُوا بِالْأَعْنَاقِ“ تو صحابہ کرام نے اس سے وہی معنی سمجھا جو لغویوں نے بیان کیا

ہے۔

جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ، فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي. وَكَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ، وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ“

”صفیں برابر کر لو، میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں، چنانچہ ہم میں سے ہر شخص اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملا دیتا تھا“۔ [صحیح البخاری: كِتَابُ الْأَذَانِ: بَابُ الْإِزَاقِ الْمَنْكِبِ بِالْمَنْكِبِ: ۷۲۵]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

”وأفاد هذا التصريح أن الفعل المذكور كان في زمن النبي صلى الله عليه وسلم وبهذا يتم الاحتجاج به على بيان المراد بإقامة الصف وتسويته“

”اس صراحت سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ مذکورہ عمل رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں موجود تھا نیز اس بات کی دلیل بھی مل جاتی ہے کہ صفوف کو قائم یا سیدھا کرنے سے کیا مراد ہے؟“ [فتح الباری: ۲۱۱/۲]

سوغت اور صحابہ کرام کے عمل سے یہ ثابت ہو گیا کہ نماز میں اپنے ٹخنے کو دوسرے کے ٹخنے سے اور اپنے کندھے کو دوسرے کے کندھے سے ملانا اور چپکالینا ہے۔

علماء کے اقوال:

۱۔ علامہ عبدالرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وهكذا حال أكثر الناس في هذا الزمان، فإنه لو فعل بهم ذلك، لنفروا كأنهم حمر وحش! وصارت هذه السنة عندهم، كأنها بدعة- عيادًا بالله- فهداهم الله تعالى، وأذاقهم حلاوة السنة“

”اس دور میں اکثر لوگوں کا یہی حال ہے، اگر ان کے ساتھ صف بندی کی جائے تو وہ جنگلی گدھوں کی طرح بھاگتے ہیں، گویا وہ۔ نعوذ باللہ۔ اس سنت کو بدعت سمجھتے ہیں، اللہ انہیں ہدایت دے اور سنت کی مٹھاس عطا فرمائے“ [أبكار المنن في نقد آثار السنن: ص ۲۴۵]

۲۔ صاحب ”التعليق المغني“ کہتے ہیں:

”فهذه الأحاديث فيها دلالة واضحة على اهتمام تسوية الصفوف، وأنها من إتمام الصلاة، وعلى أنه لا يتأخر بعضه على بعض، ولا يتقدم بعضه على بعض، وعلى أنه يلزق منكبه بمنكب صاحبه، وقدمه بقدمه، وركبته بركبته، لكن اليوم تُركت هذه السنة! ولو فعلت اليوم لنفروا الناس“

کالحُمُر الوحشية“! [عون المعبود: ۲۰۶/۲]

”ان احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صفوں کی درستی کا اہتمام ہونا چاہیے اور یہ کہ صف بندی سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے اور یہ بھی کہ نماز میں آگے پیچھے نہیں کھڑے ہونا چاہیے بلکہ ایک دوسرے سے کندھے سے کندھا، قدم سے قدم اور گھٹنے سے گھٹنا چپکا کر کھڑے ہونا چاہیے، لیکن آج یہ سنت ترک کر دی گئی ہے اور اگر آپ اس پر عمل کریں گے تو لوگ جنگلی گدھوں کی طرح بھاگیں گے“ [عون المعبود: ۲۰۶/۲]

۳۔ علامہ عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”کل ذلك يدل دلالة واضحة على أن المراد باقامة الصف وتساويته إنما هو اعتدال القائمين على سمت واحد وسد الخلل والفرج في الصف بالزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم، وعلى أن الصحابة في زمنه صلى الله عليه وسلم كانوا يفعلون ذلك، وأن العمل برص الصف والزاق القدم بالقدم وسد الخلل كان في الصدر الأول من الصحابة وتبعهم، ثم تهاون الناس به“

”یہ تمام الفاظ واضح طور پر دلالت کرتے ہیں کہ صفوں کی درستی سے مراد نمازیوں کا ایک قطار میں کھڑا ہونا، کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر خالی جگہ پر کرنا ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے زمانے میں صحابہ ایسا کرتے تھے اور صف کو اچھی طرح ملانے اور پاؤں سے پاؤں چمٹانے کا عمل اسلام کے صدر اول یعنی صحابہ و تابعین میں موجود تھا، ہاں! بعد میں لوگ سستی اور کابلی کا شکار ہو گئے“ [مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۴/۵]

مزید فرماتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ”الزاق“ کو مجازی معنی پر محمول کرنا محتاج قرینہ ہے، نیز ”الزاق“ کی یہ تفسیر کرنا کہ دو نمازیوں کے درمیان تیسرے آدمی کی جگہ نہ ہو، اس پر کوئی عقلی اور شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔

نیز ہمارے پاس صرف ”الزاق“ ہی کا لفظ نہیں ہے بلکہ ”تراص، سد خلل، اور شیطان کے لیے خالی جگہ چھوڑنے پر ممانعت جیسے الفاظ نبوی بھی موجود ہیں جن میں سے ہر ایک ”الزاق“ کو حقیقی معنی پر محمول کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ [مرعاة المفاتيح: ۶/۴]

۴۔ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان احادیث میں بہت سے اہم فوائد موجود ہیں۔

۱۔ یہ کہ صفیں قائم کرنا، ان کو سیدھا کرنا اور انہیں اچھی طرح ملانا واجب ہے، اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کا حکم

موجود ہے۔ حکم میں اصل وجوب ہی ہوتا ہے الا یہ کہ اس کے خلاف کوئی دلیل مل جائے۔

۲۔ یہ کہ صفیں برابر کرنے سے مراد یہی ہے کہ کندھے سے کندھا اور پورے پاؤں کے ساتھ پورا پاؤں اچھی طرح ملا لیا جائے کیونکہ صحابہ کو جب صفیں قائم کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ [سلسلہ احادیث الصحیحہ: ۷۲/۱]

آگے فرماتے ہیں:

”ومن المؤسف أن هذه السنة من التسوية قد تهاون بها المسلمون، بل أضعوا إلا القليل منهم، فإني لم أرها عند طائفة منهم إلا أهل الحديث، فإني رأيتهم في مكة سنة (۱۳۶۸) حريصين على التمسك بها كغيرها من سنن المصطفى عليه الصلاة والسلام بخلاف غيرهم من أتباع المذاهب الأربعة - لا أستثنى منهم حتى الحنابلة - فقد صارت هذه السنة عندهم نسيا منسيا، بل إنهم تتابعوا على هجرها والإعراض عنها، ذلك لأن أكثر مذاهبهم نصت على أن السنة في القيام التفريغ بين القدمين بقدر أربع أصابع، فإن زاد كره كما جاء مفصلا في ”الفقه على المذاهب الأربعة“ (۱/ ۲۰۷)، والتقدير المذكور لا أصل له في السنة، وإنما هو مجرد رأى“

”افسوس کہ اس سنت کو اکثر مسلمانوں نے اہمیت نہیں دی بلکہ انہوں نے اسے ضائع کر دیا ہے۔ میں نے یہ سنت مسلمانوں کے صرف ایک گروہ اہل حدیث کے پاس دیکھی ہے۔ میں نے انہیں مکہ مکرمہ میں ۱۳۶۸ھ میں دیکھا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری سنتوں کی طرح اس سنت کے بھی شیدائی ہیں ان کے علاوہ دوسرے لوگ مذاہب اربعہ کے پیروکار، میں ان میں سے حنابلہ کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیتا، ان لوگوں نے بھی اس سنت کو بالکل بھلا دیا ہے اور مسلسل اس سنت کو چھوڑا ہوا ہے اور اس سے اعراض کیا ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مذاہب کی اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ دو اشخاص کے پاؤں میں چار انگلیوں کے برابر فاصلہ رکھنا سنت ہے۔ اگر اس سے زیادہ فاصلہ ہوگا تو مکروہ ہوگا، اس کی تفصیل ”الفقه على المذاهب الأربعة“ میں موجود ہے۔ حالانکہ اس فاصلے کی سنت رسول میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ یہ محض اپنی رائے ہے“ [سلسلہ احادیث الصحیحہ: ۷۳/۱]

۵۔ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الواجب على المصلين إقامة الصفوف وسد الفرج بالتقارب وإصاق القدم بالقدم من غير أذى من بعضهم لبعض. والواجب على الإمام تنبيههم على ذلك“

”قریب قریب کھڑے ہو کر اور بغیر ایک دوسرے کو تکلیف دئے ہوئے قدم کو قدم سے ملا کر خالی جگہ کو پر کرنا اور

صف کو قائم کرنا نمازیوں پر واجب ہے اور امام پر بھی واجب ہے کہ وہ لوگوں کو اس پر متنبہ کرے، [مجموع فتاویٰ ابن باز: ۲۰۰/۱۱۲]

۶۔ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا مصلیٰ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے ٹخنے کو بغل والے کے ٹخنے سے ملائے؟
تو آپ نے فرمایا:

”وأما إصاق الكعبين بعضهما ببعض فلا شك أنه وارد عن الصحابة رضي الله عنهم فإنهم كانوا يسوون الصفوف بإصاق الكعبين بعضهما ببعض، أي: أن كل واحد منهم يلصق كعبه بكعب جاره لتحقيق المحاذاة وتسوية الصف“

”ٹخنے کو ایک دوسرے سے چپکا لینا تو بغیر کسی شک کے صحابہ کرام سے وارد ہے کیونکہ وہ ٹخنے کو ایک دوسرے سے چپکا کر ہی صفوں کو برابر کرتے تھے، یعنی ان میں سے ہر ایک اپنے ٹخنے کو اپنے بغل والے کے ٹخنے سے ملا دیتا تھا تاکہ صف سیدھی اور برابر ہو جائے“ [فتاویٰ أركان الإسلام: ۳۱۱/۱، و مجموع فتاویٰ و رسائل العثيمين: ۵۱/۱۳]

رہی بات ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے باب ”بَابُ إِزْأَقِ الْمَنْكِبِ بِالْمَنْكِبِ“ سے حقیقی معنوں میں ٹخنہ ملانا مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مقصود صفوں کو سیدھا کرنا اور درمیانی خلا کو پر کرنا ہے۔
جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”المراد بذلك المبالغة في تعديل الصف وسد خلله“

”إزراق“ سے مقصود تعدیل صف اور خلل پر کرنے کے لیے مبالغہ ہے، [فتح الباری: ۲۱۱/۲]

تو اس کے جواب میں درج ذیل باتیں پیش خدمت ہیں:

ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ یہاں ٹخنے سے ٹخنہ ملانا مراد نہیں ہے۔

بلکہ کہا ہے کہ إزراق سے مقصود تعدیل صف اور خلل پر کرنے کے لیے مبالغہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ تعدیل صف اور سد خلل کے لیے مبالغہ کی صورت کیا ہوگی؟

کیا دو لوگوں کے درمیان دو یا چار انچ یا اس سے زائد جگہ چھوڑ دینے پر ”سد خلل میں مبالغہ“ کا اطلاق ہو سکتا ہے؟

یا پھر ٹخنے کو ٹخنے سے ملانے پر ”سد خلل میں مبالغہ“ کا اطلاق ہوگا؟

نیز جب صرف انگلی سے انگلی ملانے پر تعدیل صف نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ قدم چھوٹے اور بڑے ہوتے ہیں تو پھر

کیسے چار انچ جگہ چھوڑ کر کھڑے ہونے پر تعدیل صاف اور سد خلل میں مبالغہ ہو جائے گا؟
 نیز اس باب کے حدیث کے تحت ابن حجر رحمہ اللہ نے جو تبصرہ کیا ہے اسے کیوں نظر انداز کر دیا جاتا ہے؟
 چنانچہ وہ صاف لفظوں میں فرماتے ہیں:

”وأفاد هذا التصريح أن الفعل المذكور كان في زمن النبي صلى الله عليه وسلم وبهذا يتم

الاحتجاج به على بيان المراد بإقامة الصف وتساويته“ [فتح الباری: ۲/۲۱۱]

ابن حجر رحمہ اللہ کے اس تبصرے سے کہیں نہ کہیں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ ان کے قول ”المراد بذلك المبالغة في تعديل الصف وسد خلل“ سے لوگ جو مفہوم لے رہے ہیں وہ حقیقت میں ابن حجر رحمہ اللہ کا مقصود نہیں ہے۔
 واللہ اعلم۔

مزید یہ کہ ہمارے پاس صرف ”الزاق“ ہی کا لفظ نہیں ہے بلکہ تراص، سد خلل، اور شیطان کے لیے خالی جگہ چھوڑنے پر ممانعت جیسے الفاظ نبوی بھی موجود ہیں۔

تراص کا معنی اوپر بیان کر دیا گیا ہے نیز ”سد خلل اور شیطان کے لیے خالی جگہ نہ چھوڑنے“ کے الفاظ بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں کہ بالکل مل جل کر کھڑا ہوا جائے۔

بصورت دیگر یہ تعین کیا جائے کہ کتنا فاصلہ چھوڑنے پر ”سد خلل اور شیطان کے لیے خالی جگہ نہ چھوڑنے“ کا اطلاق ہو سکتا ہے؟

آخری بات یہ کہ اگر واقعی کسی کو ٹخنے سے ٹخنہ اور کندھے سے کندھا ملانے میں دقت اور تکلیف ہوتی ہے اور وہ چاہتے ہوئے بھی مکمل طور سے نہیں ملا سکتا ہے تو جس قدر وہ ملا سکتا ہے ملائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾

”اللہ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا“ [البقرة: ۲۸۶]

مزید فرماتا ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا سَتَّطَعْتُمْ﴾

”طاقت بھر اللہ سے ڈرتے رہو“ [التغابن: ۱۶]

نوٹ: علامہ البانی، ابن باز اور دیگر علماء کے نزدیک صفوں کو درست کرنا اور مل کر کھڑے ہونا محض سنت نہیں بلکہ

واجب ہے۔ دیکھیں: [سلسلة أحاديث الصحيحة: ۷۲/۱، و مجموع فتاوى ابن باز: ۲۰۰/۱۲]

اور یہی راجح بھی معلوم ہوتا ہے۔

(اُن ثقہ رواۃ کا تذکرہ جن کی توثیق امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الضعفاء“ میں کی ہے)

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

(راوی نمبر: ۳)

☆ عبداللہ بن سعید القرشی رحمہ اللہ

نام و نسب: ابوصفوان عبداللہ بن سعید بن عبد الملک القرشی دمشقی رحمہ اللہ

اساتذہ: آپ رحمہ اللہ کے چند اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) امام عبد الملک بن جریج المکی رحمہ اللہ (۲) امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ

(۳) امام محمد بن عبدالرحمن بن ابوزئب المدنی رحمہ اللہ

تلامذہ: آپ رحمہ اللہ کے چند شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) امام احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ (۲) امام زہیر بن حرب الحرشی رحمہ اللہ

(۳) امام علی بن المدینی البصری رحمہ اللہ

وفات: ۲۰۰ ہجری تقریباً

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أبو صفوان عبد الله بن سعيد بن عبد الملك بن مروان من الثقات“.

”ابوصفوان عبداللہ بن سعید بن عبد الملک بن مروان، ثقات میں سے ہیں“ [الضعفاء والمتروکون بتحقیق موفق

بن عبد اللہ: ص: ۴۱۳، ت: ۶۲۷]

راقم کہتا ہے کہ عبداللہ بن سعید دمشقی رحمہ اللہ کا ترجمہ ”الکمال للمقدسی“ اور ”تہذیب الکمال

للمزی“ میں موجود ہے اور امام مقدسی اور امام مزنی رحمہما اللہ نے امام دارقطنی رحمہ اللہ کی توثیق کا ذکر کیا ہے۔ والحمد للہ

آپ رحمہ اللہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد وغیرہ کے راوی ہیں۔

دیکھیں: [الکمال للمقدسی بتحقیق شادی: ۱۸۰/۶، ت: ۳۵۶۸، وتہذیب الکمال للمزی بتحقیق بشار: ۱۱۵

ت: ۳۰۶، ۳۳۰]

☆ عبداللہ القرشی رحمہ اللہ کی بابت چند ائمہ کرام کے اقوال:

امام ابوالحسن علی بن عبداللہ المدینی البصری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۴ھ)

”ثقة“ ”آپ ثقہ ہیں“ [تاریخ دمشق بتحقیق عمرو العمروی: ۶۱/۲۹، ت: ۳۳۱۶]

امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸ھ)

”ثقة“ ”آپ ثقہ ہیں“ [الکاشف بتحقیق محمد عوامۃ: ۵۵۸/۱، ت: ۲۷۵۳]

امام حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ)

”ثقة“ ”آپ ثقہ ہیں“ [تقریب التہذیب بتحقیق محمد عوامۃ: ص: ۳۰۶، ت: ۳۳۵۷]

مزید اقوال کے لیے دیکھیں: [تہذیب الکمال للمزی بتحقیق بشار: ۱۸۹/۳۲، ت: ۷۰۲۲]

(راوی نمبر: ۴)

☆ صالح بن درہم الباہلی رحمہ اللہ

نام و نسب: ابوالاثر صالح بن درہم الباہلی البصری رحمہ اللہ

اساتذہ: آپ رحمہ اللہ کے چند اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) عبداللہ بن عمر بن خطاب المدنی رضی اللہ عنہ (۲) ابوسعید سعد بن مالک الحدری رضی اللہ عنہ (۳)

ابو ہریرہ الدوسی رضی اللہ عنہ

تلامذہ: آپ رحمہ اللہ کے چند شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) امام شعبہ بن حجاج العتکی رحمہ اللہ (۲) مسلمہ بن سالم البصری رحمہ اللہ (۳) مروان بن معاویہ الکوفی رحمہ اللہ

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ابوہ صالح ثقة“ ”ابراہیم بن صالح کے والد صالح ثقہ ہیں“ [الضعفاء والمتروکون بتحقیق موفق بن عبد

اللہ: ص: ۴۱۳، ت: ۶۲۷]

راقم کہتا ہے کہ صالح بن درہم الباہلی رحمہ اللہ کا ترجمہ ”الکمال للمقدسی“ اور ”تہذیب الکمال

للمزی“ میں موجود ہے اور امام مقدسی اور امام مزی رحمہما اللہ نے امام دارقطنی رحمہ اللہ کی توثیق کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن

امام ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے تہذیب میں ذکر کیا ہے۔ والحمد للہ

آپ رحمہ اللہ سنن ابوداؤد، اخبار مکہ للفاکی اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کے راوی ہیں۔

دیکھیں: [الکمال للمقدسی بتحقیق شادی: ۴۴۶/۵، ت: ۳۲۳۳، وتہذیب الکمال للمزی بتحقیق بشار

عواد: ۳۹/۱۳، ت: ۲۸۰۶، و تہذیب التہذیب للحافظ: ۴/۳۸۸، الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند و
 أخبار مكة بتحقيق الدكتور عبد الملك: ۱۸۳/۲، ح: ۱۳۷۸، و مصنف بن أبي شيبة بتحقيق كمال يوسف
 الحوت: ۳۲۷/۳، ح: ۱۴۶۵۹

☆ صالح الباہلی رحمہ اللہ کی بابت چند ائمہ کرام کے اقوال:

امام ابو زکریا یحییٰ بن معین البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۳ھ)

”أبو الأزهر صالح بن درهم ثقة، يروي عنه شعبة ومروان الفزاري“

”ابوالازہر صالح بن درہم ثقہ ہیں۔ اس سے شعبہ اور مروان الفزاری نے روایت کیا ہے“ [تاریخ ابن معین (روایۃ

الدوری) بتحقيق أحمد محمد: ۴/۲۱۲، ت: ۴۰۱۵]

امام ابو محمد عبد اللہ بن علی بن الجارود النیساپوری رحمہ اللہ (المتوفی ۳۰۷ھ)

”أبو الأزهر صالح بن درهم ثقة“

”ابوالازہر صالح بن درہم ثقہ ہیں“ [الإكمال لمغلطای بتحقيق عادل و أسامة: ۶/۳۲۷، ت: ۲۴۴۵، وقد نقله

المصنف من كتابه]

امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۸۷ھ)

”ثقة“ ”آپ ثقہ ہیں“ [الكاشف بتحقيق محمد عوامة: ۱/۴۹۴، ت: ۲۳۳۳]

مزید اقوال کے لیے دیکھیں: [تہذیب الکمال للمزی بتحقيق بشار: ۳۹/۱۳، ت: ۲۸۰۶]

(راوی نمبر: ۵)

☆ عبدالاعلیٰ بن عبد اللہ المدنی رحمہ اللہ

نام و نسب: ابو محمد عبدالاعلیٰ بن عبد اللہ بن ابو فروہ المدنی القرشی الاموی رحمہ اللہ

اساتذہ: آپ رحمہ اللہ کے چند اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) اسحاق بن عبد اللہ المدنی رحمہ اللہ (۲) زید بن اسلم المدنی رحمہ اللہ (۳) محمد بن مسلم الزہری رحمہ اللہ

تلامذہ: آپ رحمہ اللہ کے چند شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) امام عبد اللہ بن وہب المصری رحمہ اللہ (۲) امام ولید بن مسلم دمشقی رحمہ اللہ (۳) امام سلیمان بن

بلال المدنی رحمہ اللہ

امام دارقطنی رحمہ اللہ موصوف کے بھائی اسحاق بن عبد اللہ کے ترجمے میں فرماتے ہیں:

”متروک. ولہ ثلاثة إخوة ثقات“ ”اسحاق بن عبداللہ متروک ہے اور ان کے تین بھائی ہیں، وہ سب ثقہ

ہیں“ [الضعفاء والمتروکون بتحقیق موفق بن عبد اللہ: ص: ۱۴۳، ت: ۹۴]

یہی بات ہو، ہوا حافظ محمد سلمی رحمہ اللہ نے بھی امام دارقطنی رحمہ اللہ سے بیان کی ہے۔

دیکھیں: [سؤالات السلمی للدارقطنی بتحقیق فریق من الباحثین: ص: ۱۲۹، ت: ۶۸]

راقم کہتا ہے کہ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ المدنی رحمہ اللہ کا ترجمہ ”تہذیب الکمال للمزی“ میں موجود ہے لیکن آپ نے امام دارقطنی رحمہ اللہ کی توثیق کا ذکر نہیں کیا ہے اور ”الکمال للمقدسی“ میں آپ کا ترجمہ موجود نہیں ہے۔ رہی بات امام ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کی تو آپ نے بھی امام دارقطنی رحمہ اللہ کی توثیق کا ذکر نہیں کیا ہے۔ واللہ اعلم

آپ رحمہ اللہ ”المراسیل لابی داؤد“، ”المعجم الاوسط للطبرانی“ اور ”مستدرک حاکم“ وغیرہ کے راوی ہیں۔

دیکھیں: [تہذیب الکمال للمزی بتحقیق بشار عواد: ۳۵۸/۱۶، ت: ۳۶۸، و المراسیل لابی داؤد بتحقیق شعیب الأرنؤوط: ص: ۳۴۸، ح: ۵۱۳، و المعجم الاوسط للطبرانی بتحقیق طارق وغیرہ: ۲۵۸/۳، ح: ۳۰۸۱، و المستدرک علی الصحیحین للحاکم بتحقیق مصطفیٰ عبد القادر عطا: ۲۲۱/۳، ح: ۴۹۰۵]

☆ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ المدنی رحمہ اللہ کی بابت چند ائمہ کرام کے اقوال:

امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱ھ)

”لیس بهم بأس، إلا إسحاق“

”عبدالحکیم، عبدالاعلیٰ اور اسحاق، ان میں کوئی حرج نہیں ہے سوائے اسحاق کے“ [العلل ومعرفة الرجال، رواية

المروزی وغیرہ بتحقیق وصی اللہ: ص: ۱۶۸، رقم: ۲۹۷]

امام ابو زکریا یحییٰ بن معین البغدادی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۳ھ)

”إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي فَرَوَةَ، وَعَبْدُ الْحَكِيمِ بْنُ أَبِي فَرَوَةَ، وَعَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ

أَبِي فَرَوَةَ، وَصَالِحُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي فَرَوَةَ كُلِّهِمْ ثِقَاتٌ إِلَّا إِسْحَاقُ“

”اسحاق بن عبداللہ بن ابوفروہ، عبدالحکیم بن ابوفروہ، عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن ابوفروہ اور صالح بن عبداللہ بن ابوفروہ،

یہ سب ثقہ ہیں سوائے اسحاق کے“ [تاریخ ابن معین (روایۃ الدوری) بتحقیق أحمد محمد: ۲۲۷/۳، ت: ۱۰۶۳]

امام یعقوب بن سفیان القسوی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۷ھ)

”عبد اللہ و عبد الحکم و عبدُ الأعلیٰ بنو أبی فروة ثقات“

”عبد اللہ، عبد الحکیم اور عبد الاعلیٰ، یہ بوفروہ کے بیٹے ہیں اور سب ثقہ ہیں“ [المعرفة والتاریخ بتحقیق اکرم ضیاء

[العمری: ۵۵/۳]

امام حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ)

”ثقة فقیه“، ”آپ ثقہ فقیہ ہیں“ [تقریب التهذیب بتحقیق محمد عوامہ: ص: ۳۳۱، ت: ۳۷۳۳]

(راوی نمبر: ۶)

☆ صالح بن عبد اللہ المدنی رحمہ اللہ

نام و نسب: ابو عمرو صالح بن عبد اللہ بن بوفروہ المدنی القرشی الاموی رحمہ اللہ

استاذ: عامر بن سعد بن ابوقاص المدنی رحمہ اللہ

شاگرد: امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ

وفات: ۲۲۴ھ

امام دارقطنی رحمہ اللہ موصوف کے بھائی اسحاق بن عبد اللہ کے ترجمے میں فرماتے ہیں:

”متروک. وله ثلاثة إخوة ثقات“

”اسحاق بن عبد اللہ متروک ہے اور ان کے تین بھائی ہیں، وہ سب ثقہ ہیں“ [الضعفاء والمتروکون بتحقیق موفق

بن عبد اللہ: ص: ۱۴۳، ت: ۹۴]

یہی بات ہو، ابو حافظ محمد السلمی رحمہ اللہ نے بھی امام دارقطنی رحمہ اللہ سے بیان کی ہے۔

ویکیس: [سؤالات السلمی للدارقطنی بتحقیق فریق من الباحثین: ص: ۱۲۹، ت: ۶۸]

راقم کہتا ہے کہ صالح بن عبد اللہ المدنی رحمہ اللہ کا ترجمہ ”الکمال للمقدسی“ اور ”تهذیب الکمال

للمزی“ میں موجود ہے لیکن امام مقدسی اور امام مزنی رحمہما اللہ نے امام دارقطنی رحمہ اللہ کی توثیق کا ذکر نہیں کیا ہے اور نا

ہی امام ابن حجر رحمہ اللہ نے ”تهذیب التهذیب“ میں کیا ہے۔

آپ رحمہ اللہ سنن ابن ماجہ، مسند البزیر اور الاحادیث المختارہ للمقدسی وغیرہ کے راوی ہیں۔

ویکیس: [الکمال للمقدسی بتحقیق شادی: ۵۲/۵، ت: ۳۲۴، و تهذیب الکمال للمزی بتحقیق بشار عواد:

”صالح بن عبداللہ اہل نقل میں معروف نہیں ہیں“ [کمال تہذیب الکمال لمغلطای بتحقیق عادل و أسامة : ۱۶

۳۳۸، ت: ۲۴۶۱، وقد نقله من کتابه]

راقم کہتا ہے کہ امام یحییٰ بن معین، امام ابن حبان، امام دارقطنی اور امام ابن خلفون رحمہم اللہ کی توثیق کی وجہ سے امام طبری رحمہ اللہ کا قول ناقابل التفات ہے۔

(راوی نمبر: ۷)

☆ عبدالکیم بن عبداللہ المدنی رحمہ اللہ

نام و نسب: ابو عبد اللہ عبد الکیم بن عبد اللہ بن ابو فروہ المدنی رحمہ اللہ

اساتذہ: آپ رحمہ اللہ کے چند اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) امام سعید بن مسیب المدنی رحمہ اللہ (۲) عباس بن سہل المدنی رحمہ اللہ (۳) عمرو بن شعیب المدنی

رحمہ اللہ

شاگرد: آپ رحمہ اللہ کے چند شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) امام عبد اللہ بن مبارک المرزوی رحمہ اللہ (۲) امام یحییٰ بن سعید الانصاری رحمہ اللہ (۳) ابو علقمہ عبد اللہ

الفروی رحمہ اللہ

وفات: ۱۵۶ھ

امام دارقطنی رحمہ اللہ موصوف کے بھائی اسحاق بن عبد اللہ کے ترجمے میں فرماتے ہیں:

”متروک. وله ثلاثة إخوة ثقات“

”اسحاق بن عبد اللہ متروک ہے اور ان کے تین بھائی ہیں، وہ سب ثقہ ہیں“ [الضعفاء والمتروکون بتحقیق موفق

بن عبد اللہ: ص: ۱۴۳، ت: ۹۴]

یہی بات ہو بہو حافظ محمد المسلمی رحمہ اللہ نے امام دارقطنی رحمہ اللہ سے بیان کی ہے۔

دیکھیں: [سؤالات المسلمی للدارقطنی بتحقیق فریق من الباحثین: ص: ۱۲۹، ت: ۶۸]

راقم کہتا ہے کہ عبد الکیم بن عبد اللہ المدنی رحمہ اللہ کا ترجمہ ”الکمال للمقدسی“، ”تہذیب الکمال

للمزی“ اور ”تہذیب التہذیب لابن حجر“ کسی میں موجود نہیں ہے۔

آپ رحمہ اللہ معجم الکبیر للطبرانی، مسند ابو یعلیٰ اور مسند البرز اور غیرہ کے راوی ہیں۔

ویکیسین: [المعجم الكبير للطبرانی بتحقیق حمدی السلفی: ۱۲۸/۶، ح: ۵۷۳۵، و مسند أبی یعلیٰ بتحقیق الدارانی: ۴۷/۱، ح: ۴۷، و مسند البزار بتحقیق محفوظ الرحمن: ۱۳۳/۱، ح: ۶۴]

☆ عبدالحکیم بن عبد اللہ المدنی رحمہ اللہ کی بابت چند ائمہ کرام کے اقوال:

امام ابو عبد اللہ محمد بن سعد البغدادی، المعروف بابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۰ھ)

”وكان ثقة قليل الحديث، وكان يفتى بالمدينة، وكانت له حلقة“

”عبدالحکیم المدنی رحمہ اللہ ثقہ اور قلیل الحدیث تھے۔ آپ مدینہ میں فتویٰ دیتے تھے اور آپ کے لیے حلقہ لگتا تھا“

[الطبقات الكبرى بتحقیق محمد عبد القادر: ۴۲۹/۵، ت: ۱۲۵۸]

امام ابو حاتم محمد بن ادريس الرازي رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۷ھ)

”ثقة“، ”عبدالحکیم المدنی رحمہ اللہ ثقہ ہیں“ [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم بتحقیق المعلمی: ۳۴/۶، ت: ۱۸۴]

امام ابو زكريا يحيى بن معين البغدادي رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۳ھ)

”إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي فَرْوَةَ، وَعَبْدُ الْحَكِيمِ بْنِ أَبِي فَرْوَةَ، وَعَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ

أَبِي فَرْوَةَ، وَصَالِحُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي فَرْوَةَ كُلِّهِمْ ثِقَاتٌ إِلَّا إِسْحَاقُ“

”اسحاق بن عبد اللہ بن ابو فروہ، عبد الحکیم بن ابو فروہ، عبد الاعلیٰ بن عبد اللہ بن ابو فروہ اور صالح بن عبد اللہ بن ابو فروہ،

یہ سب ثقہ ہیں سوائے اسحاق کے“ [تاریخ ابن معین (روایۃ الدوری) بتحقیق أحمد محمد: ۲۲۷/۳، ت: ۱۰۶۳]

(۲) ”ثقة، وهو اخو إسحاق بن عبد الله بن أبي فروة“

”عبدالحکیم المدنی رحمہ اللہ ثقہ ہیں اور آپ اسحاق بن عبد اللہ بن ابو فروہ کے بھائی ہیں“ [الجرح والتعديل لابن أبي

حاتم بتحقیق المعلمی: ۳۴/۶، ت: ۱۸۴]

امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل الشيباني رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱ھ)

(۱) ”ليس بهم بأس، إلا إسحاق“

”عبدالحکیم، عبد الاعلیٰ اور اسحاق، ان میں کوئی حرج نہیں ہے سوائے اسحاق کے“ [العلل ومعرفة الرجال، رواية

المروزی وغیرہ بتحقیق وصی اللہ: ص: ۱۶۸، رقم: ۲۹۷]

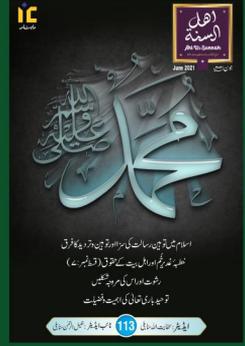
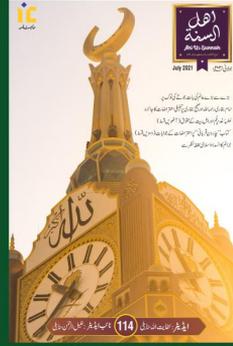
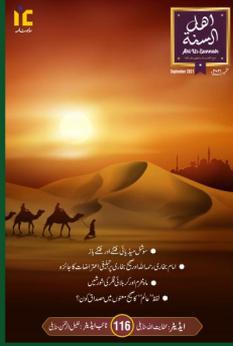
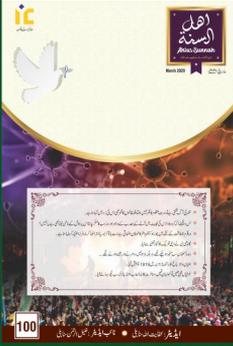
(۲) ”شيخ ثقة“، ”عبدالحکیم المدنی رحمہ اللہ شیخ ہیں اور ثقہ ہیں“

[سؤالات أبی داؤد للإمام أحمد بتحقیق الدكتور زياد: ص: ۲۱۷، ت: ۱۸۹]

جاری ہے.....

معتبر دینی صحافت کا ایک معتبر نام

ماہنامہ اہل السنۃ



فہم سلف کی روشنی میں کتاب و سنت کی دعوت

عقلمندی و منہجی مسائل میں مسلک سلف صحابہ و تابعین کا احیاء و ترویج

سماج میں پھیلے شرک و بدعات اور بد عقیدگیوں پر ایک کاری ضرب

اختلافی مسائل پر مدلل تجزیات * علوم الحدیث پر معیاری مضامین

صحیح احادیث کی اشاعت اور ضعیف احادیث کی نشاندہی

شریعت کے جملہ علوم و فنون کے اصول و ضوابط پر تحقیقی مقالات

تزکیہ نفس اور اصلاح قلب کو ہمیز دینے والی تحریریں

موجودہ مسائل و حالات پر شرعی و فکری تجزیات

اہل السنۃ کے ممبر بنیں: فی شمارہ: 40 روپے سالانہ ممبر شہ: 400 روپے

اہل السنۃ کا تعاون کریں
ماہانہ مفت ارسال کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں آپ سے تعاون کی درخواست ہے۔
مجلہ اہل السنۃ مختلف مساجد، مدارس، جامعات، لائبریریوں اور بعض حضرات کو

DONATE TO



Special Help 5000/- خصوصی تعاون

Yearly Help 3000/- سالانہ تعاون

Monthly Help 300/- ماہانہ تعاون

| Account Name : ILM Foundation | Account No. : 102801002071
| IFSC Code : ICIC0001028 | Bank Name : ICICI Bank (Savings)
| Branch : Andheri Link Road, Mumbai | MCR Code : 400229097

Call for donation : 8291063785 / 8657458182

الحمد للہ: اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی و مسجد بانیکلہ اہل حدیث جماعت، مومن پورہ، بانیکلہ - ممبئی کے زیر اہتمام
ایک اہم کانفرنس کا انعقاد 26 جنوری 2023 کو کیا گیا ہے۔
اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہماری اس ادنیٰ کوشش کو قبول فرمائے، اور تمام مسلمانوں کے لئے نفع بخش بنائے۔ آمین

یک روزہ عظیم الشان کانفرنس

اسلام کا نظام وراثت

بعضورت: فضیلۃ الشیخ **عبدالسلام سلفی** ابن عربی جمعیت اہل حدیث ممبئی

بتاریخ: 26 جنوری 2023
مطابق: ۳۰ رجب ۱۴۴۴ھ
بروز جمعرات
بوقت نماز عصر تا 10:30 بجے شب

جگہ: جامع مسجد اہل حدیث
مومن پورہ، بانیکلہ ممبئی۔ ۱۱

موضوعات:

- اسلامی نظام وراثت، اہمیت و فوائد
- وراثت کی تقسیم میں ہونے والی غلطیاں
- اسلامی نظام وراثت کے بنیادی اصول
- نظام وراثت اسلام اور دیگر مذاہب میں
- وراثت میں عورتوں کے حقوق
- وراثت سے خواتین کی محرومی: اسباب و علاج
- مال و دولت اسلام کی نظر میں

خطبائے کرام:

ڈاکٹر عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ • شیخ عبدالحمید مدنی رحمۃ اللہ علیہ • شیخ عبدالشکور مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر عبدالغفار سلفی رحمۃ اللہ علیہ • شیخ کفایت اللہ سناہلی رحمۃ اللہ علیہ • شیخ سرفراز فیضی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ خلیل الرحمن سناہلی رحمۃ اللہ علیہ • برادرزید ٹیٹیل رحمۃ اللہ علیہ

شیخ عبد الجلیل انصاری رحمۃ اللہ علیہ • شیخ ظہیر الدین سناہلی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ اسلم صیاد سناہلی رحمۃ اللہ علیہ • شیخ فخر الدین سلفی رحمۃ اللہ علیہ

نوٹ: تمام برادران اسلام سے اپیل کی جاتی ہے کہ بشیر تعداد میں شرکت فرما کر کانفرنس کو کامیاب بنائیں۔

رشتہ نمبر: 8080807836, 8291063785, 98218 90510

رابطہ نمبرات: 8080807836 / 37
Gala No.6, Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mobile : 8080807836 / 37
Andheri Bakery Compound, Opp. Surbhi Vada Pav, Andheri Station Road Jama Masjid, Andheri (W), Mobile : 8080801882

If Undelivered Please Return To



Ahlus Sunnah

Managed by: ILM Foundation

Islamic Information Centre

Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

To,

Book Post